اُجالے سے پہلے



مکتبۂ ماحول کراچی

مکتبہ جدید (انارکلی) لاہور

پبلشرز ٭ بک سیلرز

اجالے سے پہلے

اسٹیج ڈرامہ

ابراہیم جلیس

میری سوانح

ما و مجنوں ہم سبق بودیم درمیدانِ عشق
او بہ صحرا رفت و ما کوچہ ہا رُسوا شدیم

ان۔ ایم۔ کیس

xx

نہایت عزیز دوست

ابراہیم علیخاں ——— کے نام

جن کی خواہش پر میں نے یہ پہلا اسٹیج ڈرامہ لکھا

طبع اوّل

جنوری سنہ ۱۹۵۶ء

ناشر ــــــــــ انور عارف

طابع ــــــــــ گیلانی الیکٹرک پرنٹنگ پریس۔ لاہور

پس پردہ

میں اکثر سوچتا ہوں کہ آخر میں نے ایک فل فلیجڈ اسٹیج ڈرامہ کس طرح لکھ لیا۔ میرے لئے سب سے زیادہ حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ جب یہ ڈرامہ کراچی میں پہلی بار اسٹیج کیا گیا تو اسے نہ صرف عوام کالانعام بلکہ بابائے اردو مولوی عبدالحق ـــــ سید ہاشم رضا ـــــ حاتم علوی جیسے بزرگوں کے علاوہ کراچی کے تقریباً تمام دانشوروں اور صحافیوں نے اس کو میری توقعات سے کہیں زیادہ پسند کیا اور ہمیشہ کیلئے مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ میں اچھے اور معیاری اسٹیج ڈرامے بھی بہ آسانی لکھ سکتا ہوں۔

ممکن ہے کہ آپ میری اس بات پر یقین نہ کریں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں ڈرامہ نویسی کی تکنیک کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میں ایک مضمون نویس، افسانہ نویس، ناول نویس، اخبار نویس اور خوش نویس (ناناقر نویس نہیں) کافی نہیں کہ ڈرامہ نویس بھی بن جاؤں۔

اس لئے میں نے بہت کم اسٹیج ڈرامے دیکھے۔ فن ڈرامہ سے متعلق شدہ بدھ ہی کچھ پڑھا۔ البتہ ریڈیائی ڈرامے اور ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھے بھی خوب اور پڑھے بھی زیادہ۔ فل فلیجڈ ڈراموں میں سید امتیاز علی تاج کے ڈرامے انار کلی اور آغا حشر مرحوم کے چند ڈراموں کے سوائے شاید ہی میں نے کوئی ڈرامہ پڑھا ہو۔ البتہ اپنے عزیز دوست خواجہ معین الدین بی۔اے عثمانیہ کے ڈرامے پرانے محل، زوالِ حیدرآباد، نیانشان اور لال قلعے سے لالو کھیت، بہت شوق اور بہت غور سے دیکھے۔ اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ خواجہ معین الدین کے ان ڈراموں کو دیکھنے سے مجھے اسٹیج سے واقفیت ہوئی۔ یہ معلومات ہوئیں کہ ڈیپ سین Deep Scene اور مڈ سین Mid Scene وغیرہ کیا ہوتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے تو کیوں گرتا ہے اور اٹھتا ہے تو کیوں اٹھتا ہے؟ —— اسی دوران ایک دن میرے عزیز دوست مسٹر مظہر علی شریف اور آصف سلیم مجھ سے ملے اور مجھے بڑا تاؤ دلایا کہ جب خواجہ معین الدین اسٹیج ڈرامے لکھ سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں لکھ سکتے!۔ میں نے انہیں ٹالا کہ میں دوستوں سے "مقابلہ" نہیں کرتا۔ لیکن ایک دن جب میرے دل نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ ہاں بھئی آخر تم کیوں

نہیں لکھتے ــــــ؟ میں نے اپنے دل کو جواب دیا۔ بھئی عجیب بات ہے لکھتے تو تم ہی ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر لکھو۔ (واضح رہے کہ میں دماغ سے کم دل سے زیادہ لکھتا ہوں) میں نے ایک دن اسٹیج ڈرامہ لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن وہ ارادہ کافی دنوں تک مصمم ارادہ ہی بنا رہا۔ اسکی ایک اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں بسیار نویس مشہور ہونے کے باوجود بہت "قلم چور" ہوں جسطرح آپ یا آپ کے کوئی دوست "کام چور" ہوں گے۔ لیکن میرے دوست مسٹر مظہر علی شریف اور آصف سلیم کے علاوہ مسٹر ابراہیم علیخاں، فصیح الدین احمد ایڈیٹر پیام مشرق مرحوم، مصطفٰی علی اور منظور وغیرہ بھی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے کہ اسٹیج ڈرامہ لکھو۔ چنانچہ میں نے اپنے دفتر سے دو دن کی چھٹی لی۔ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو دو دن کے لئے خدا حافظ کہا اور لکھنے کی ساری ضروریات سے مسلح ہو کر اسٹیج ڈرامہ لکھنے بیٹھ گیا۔ اور مسلسل ڈیڑھ دن کی محنت کے بعد میں یہ ڈھائی گھنٹہ کا ڈرامہ لکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ غالباً اتوار کی شام تھی۔ میں وہ مسودہ لیکر اپنے دوستوں کے پاس پہنچا۔ مسودہ دیکھنے کے باوجود اُدھر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھ جیسا "قلم چور" اتنی جلدی ایک فل فلیجڈ ڈرامہ بھی لکھ سکتا ہے۔ ادھر مجھ پہ بھی ایک تذبذب کا سا عالم طاری تھا کہ یہ کیا حرکت

مجھ سے سرزد ہو گئی ہے! بہرحال دوسرے دن سے اس ڈرامہ کی ریہرسل شروع ہو گئی۔ اداکاروں کی ایک اچھی ٹیم اور ٹیم اسپرٹ دونوں حاصل ہو گئیں ہر شام ریہرسل میں بڑا اچھا وقت گذرنے لگا۔ لیکن جیسے جیسے اس کے پبلک شو کا دن قریب آ رہا تھا پتہ نہیں کیوں میرا دل ڈوبتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ بالآخر وہ دن آ گیا۔ جس شام میرا پہلا ڈرامہ پہلی بار اسٹیج کیا جانے والا تھا۔ اس شام میں ایمپرس مارکیٹ سے گذر رہا تھا۔ مجھے جو شخص بھی انڈے اور ٹماٹر خریدتا نظر آتا میرا دل دھڑک جاتا اور مجھ سے پوچھتا

کہیں یہ شخص آج رات میرا ڈرامہ دیکھنے تو
نہیں جا رہا ہے؟ یہ انڈے اور ٹماٹر کہیں
میرے ڈرامے کے ہیرو، ہیروئن، ولن
یا پھر مصنف کو تو نشانہ بنانے والے نہیں ہیں

جس وقت ڈرامہ شروع ہوا یعنی پردہ اُٹھا۔ ایک منظر گذرا اور ننھی اداکارہ نے دلچسپ انداز میں مکالمے بولے اور سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تو میرے جسم پہ رونگٹے سے کھڑے ہو گئے اور میری گردن ذرا سی اکڑ گئی۔ جب تیسرے منظر میں سارا ہال قہقہہ زار بن گیا تو میں نے فاتحانہ انداز میں پلٹ کر تماشائیوں کو دیکھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ

میں نے مونچھیں کیوں نہیں رکھیں! واللہ انہیں تاؤ دینے سے اسوقت تو لطف دوبالا ہوجاتا ۔ میں مبالغہ نہیں کرتا ۔ اس کی تصدیق ہر وہ شخص کرسکتا ہے جس نے میرا ڈرامہ دیکھا ہے کہ ڈرامہ کے ہر منظر کو پر جوش تالیوں سے پسند کیا گیا ۔ ڈرامہ کے ختم کے بعد ایک فلمساز نے فوراً ہی فلم کے لئے اس کا معاہدہ کرلیا (اس کے بعد کیا ہوا وہ پردۂ سیمیں پر ملاحظہ فرمائیے)

اس ڈرامے کی کامیابی میں جتنا میرے قلم کو دخل ہے اتنا ہی اس ڈرامے کے ہدایت کار مظہر علی شریف، معاون ہدایت کار ایم۔ اے جاوید ایس۔ ایم یوسف، میوزک ڈائرکٹر، مبارک حسین ہاشمی، میک اپ مین امام الدین احمد بھائی، نغمہ نگار اعظم اور احمد رضا کے علاوہ اداکاروں، مس شمیم اختر، مس فردوس، سلیم اختر، اختر احسن، کوکب، آصف سلیم، رجّو بنڈل، لطیف احساس، اسلم، محمود علی، بیگم، ملکہ اور چھ سالہ ننھی اداکارہ بے بی فریدہ کا بھی دخل ہے ۔ میں ان تمام خواتین و حضرات کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ سب سے زیادہ تو میں اپنے نوجوان دوست مسٹر ہاشم پراچہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس ڈرامے کو اسٹیج کرنے کیلئے چیک بک پر دستخط کرنے میں کبھی کوئی پس و پیش نہیں کیا ۔

اس کتاب کے آخر میں وہ تعریفی پھول بھی آپ کو ملیں گے جو

کراچی کے اخبارات نے اس ڈرامے کو پیش کیے۔ اس لئے میں اپنے منہ آپ اور کیوں میاں مٹھوں بنوں؟ اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں یہیں پردہ گرا دوں۔

(ڈراپ)

ای۔ ایم۔ کیو

آعظم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ایک خوبصورت صحتمند بے روزگار گریجویٹ

مجیدؔ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ اعظم کے کالج کا ساتھی ۔ بے روزگار گریجویٹ

نُورافشاںؔ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ نوجوان خوبصورت بی ۔ اے پاس لڑکی

کرنل آرباب خان ـ ـ ـ ـ ـ نُورافشاں کا باپ ۔ ریٹائرڈ کرنل

مسعود علیخان ـ ـ ـ ـ ـ نوجوان سرمایہ دار ۔ نُورافشاں کا عاشق

حاکم علیخان ـ ـ ـ ـ ـ ـ پروپرائٹر گوٹ اینڈ شیپ فرم

پہلا منظر

ایک ادنیٰ متوسط درجے کے گھرانے کا کمرہ۔ جس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ لکھنے کی ایک میز دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جس پر بہت سی کتابوں، اخباروں اور رسالوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ اس میز کے اوپر بی۔ اے کی دو ڈگریاں فریموں میں لگی ہوئی آویزاں ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کمرے میں دو گریجویٹ رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک اس وقت چارپائیوں کے سرہانے آمنے سامنے رکھی ہوئی دو آرام کرسیوں میں سے ایک آرام کرسی پر بیٹھا کچھ پڑھنے میں مشغول ہے۔ اس نے شب خوابی کا دھاری دار پاجامہ اور ٹوٹے ہوئے بٹنوں والی کھلے گریبان کی نیلی قمیض پہن رکھی ہے وہ ایک خوبصورت اور صحت مند نوجوان ہے۔ سامنے دیوار پر ایک پرانی وضع کا وال کلاک گیارہ بجنے کے گھنٹے بجاتا ہے۔ نوجوان چونک کر کلاک کی طرف دیکھتا ہے۔

نوجوان :- (بلند آواز سے) —— اُف —— گیارہ بج گئے ——!

(کرسی سے اٹھتا ہے ۔ چارپائی کے نیچے سے سوٹ کیس گھسیٹ کر باہر نکلتا ہے اس میں سے ایک صاف ستھری دھلی ہوئی سفید قمیض اور بنیان نکالکر کندھے پر ڈال لیتا ہے اور چارپائی سے تکیہ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ اس کی پتلون غائب ہے جو "کریز" کی خاطر اس نے تکیہ کے نیچے رکھی تھی ۔ وہ کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے اور پکارتا ہے)

بانو ——— !

(اندر سے ایک ننھی بچی کی آواز آتی ہے)

جی ——— آئی بھائی جان ———

اس آواز کے دو تین لمحوں کے بعد ایک آٹھ نو سالہ خوبصورت سی بچی جس کے دونوں ہاتھ آٹے میں گندھے ہوئے ہیں، جیسے وہ ابھی ابھی آٹا گوندھ کر آرہی ہو کمرے میں داخل ہوتی ہے ۔ اس وقت اس نوجوان کی پیٹھ لڑکی کی طرف ہے ۔)

بانو :۔ اعظم بھائی جان ——— آپ نے مجھے بلایا ؟ ———

اعظم :۔ (پلٹ کر) ہاں ——— دیکھو بانو، میری گرم پتلون اندر تو نہیں ہے ۔ وہ جو نیلو رنگ کی ہے ۔

بانو :۔ (کچھ سوچکر) ——— وہ پتلون ——— ! ——— وہ پتلون تو مجید بھائی جان پہنکر گئے ہیں ۔

اعظم :۔ (گھبراہٹ اور غصے کے ملے جلے لہجے میں) کمبخت اُلو کا پٹھا اسے نہیں معلوم تھا، آج ۱۲ بجے میرا انٹرویو ہے ۔

بانو : (بھولپن سے) مجید بھائی جان بھی تو انٹرویو میں گئے ہیں۔ ان کا انٹرویو صبح نو بجے تھا۔ اس وقت آپ سو رہے تھے۔ وہ کہہ گئے تھے کہ میں ساڑھے گیارہ بجے تک ضرور واپس آجاؤں گا۔

اعظم :۔ اگر وہ نان سنس ساڑھے گیارہ بجے تک واپس نہیں آیا تو پھر میں اپنے انٹرویو میں کیا پہن کر جاؤں گا۔

بانو :۔ (پیار سے اعظم کی ٹھوڑی کو آٹا گندھا ہاتھ لگاتی ہے، جس سے تھوڑا سا گیلا آٹا اعظم کی ٹھوڑی پر لگ جاتا ہے)
بھائی جان ــــ انٹرویو میں آپ وہ پتلون پہنکر نہ جائیں تو بہتر ہے۔

اعظم :۔ (حیرت سے) کیوں؟ ــــ

بانو :۔ وہ پتلون تو بڑی منحوس ہے، میں کب سے دیکھ رہی ہوں آپ اور مجید بھائی جان ہر انٹرویو میں وہی پتلون پہنکر جاتے ہیں، لیکن نہ تو آپ کو نوکری ملتی ہے اور نہ مجید بھائی جان کو۔

(اعظم کھسیانا ہو کر مسکراتا ہے اور بانو کو اٹھا کر اسکی پیشانی چومتا ہے اور اپنے ساتھ بٹھا کر اُسے سمجھانے کے انداز میں کہتا ہے)

اعظم :۔ مائی ڈیر چوہوں کی خالہ ــــ تم تو اب بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو مگر بانو ــــ دراصل یہ پتلون منحوس نہیں ہے بلکہ یہ نظام منحوس ہے اور جب تک یہ نظام منحوس رہیگا اس وقت تک میں اور مجید جیسے فرسٹ کلاس گریجویٹ یونہی بیروزگاری کی چکر میں مبتلا رہیں گے۔ سمجھی! ــــ

بانو :۔ (بھولپن سے) جی نہیں سمجھی! ــــــ کون نظام؟ ــــــ وہ جو آپ کے دوست ہیں لمبے سے، کالے سے، وہ جنہوں نے مجھے چاکلیٹ کا ڈبہ دیا تھا ــــ؟ ــــ

اعظم :۔ اری وہ نہیں پگلی ــــــ یہ ہمارا معاشی اور اقتصادی نظام۔ ویسے یہ ٹھیک ہے کہ وہ لمبا بھی ہے اور کالا بھی ــــــ لیکن وہ کسی غریب اعظم کی ننھی بہن کو چاکلیٹ کا ڈبہ کبھی نہیں دیتا۔

(اندر سے اعظم کی ماں کی آواز آتی ہے)

آواز :۔ بانو ــــــ بیٹی بانو ــــــ

بانو :۔ آئی امّی ــــــ اِدھر بانو اُدھر بانو ــــــ ایک ننھی سی جان پر کتنی مصیبت ہے ــــــ امی امی۔ ای۔ ای --- - - - -

(اندر بھاگ جاتی ہے ــــــ ایک لمحے کے بعد باہر کے دروازے سے ایک نوجوان کوٹ کندھے پر ڈالے، نکٹائی کی گرہ ڈھیلی کئے، ہاتھ میں بی اے کی ڈگری، سرٹیفکٹوں کا پلندہ لئے تھکے ہارے قدموں اندر داخل ہوتا ہے۔ کوٹ اور کاغذات کا پلندہ چارپائی پر پھینک کر دھڑام سے خالی آرام کرسی پر گر جاتا ہے)

اعظم :۔ او مجید کے بچے، تم میری پتلون پہنکر چلے گئے، تمہیں معلوم نہیں تھا کہ بارہ بجے میرا انٹرویو ہے۔

مجید :۔ (وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی بارہ بجنے میں بہت دیر ہے یار!

اعظم :۔ اس طرح لاٹ صاحب کی طرح مت بیٹھو۔ اٹھو جلدی سے میری پتلون اتار کر

مجھے دیدو۔ کمبخت، ساری کریز ستیاناس کر دی۔

مجید :۔ (کرسی سے اٹھتے ہوئے) اماں کیا کروگے یار ایسے انٹرویوز میں جاکر!

اپنے پاس نہ شمشیر ہے نہ ہمشیر۔ اس معاشرے میں نوکری تو صرف سالے

بہنوئی قسم کے لوگوں کو ملتی ہے، سمجھ گئے مسٹر محمد اعظم بی اے علیگ!

اعظم :۔ یار بکواس نہ کرو۔ جاؤ جلدی سے پتلون بدلو

(مجید اپنی چارپائی کی پائنتی پر پڑا ہوا اپنا دھاری دار پاجامہ اور کرتہ

اٹھا کر اندر جاتا ہے اور اعظم میز پر سے پاسنگ شو سگریٹ کی ڈبی

سے ایک سگریٹ نکالکر جلاتا ہے اور کتاب اٹھا کر انٹرویو کے لئے

تیاری کی خاطر رٹنے کے انداز میں زور زور سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے)

اعظم :۔

(مجید اندر سے دھاری دار پاجامہ اور کرتہ پہنے داخل ہوتا ہے اور

اعظم کے کندھے پر پتلون پھینکتے ہوئے کہتا ہے)

مجید :۔ لو ڈیر سنبھالو اپنی عزت و آبرو کی محافظ پتلون!

(اعظم کتاب بند کر کے میز پہ رکھتا ہے۔ چارپائی پر سے اپنی قمیض بنیان اٹھاتا

ہے اور بچا کچا سگریٹ مجید کے حوالے کر کے اندر چلا جاتا ہے۔ مجید سگریٹ کو

چومر کر آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے اور تپائی پر ٹانگیں پھیلا کر دلآویز ترنم کے ساتھ گنگنانے لگتا ہے)

بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم
حیات و عمل کے گنہگار ہیں ہم

یہ گیتی ہے جس میں دفینے مکیں ہیں
وہ دریا ہے جس میں گہر تہ نشیں ہیں
وہ جنگل ہیں جو رشکِ خلدِ بریں ہیں
یہ فطرت کے انعام اپنے نہیں ہیں

تہی دست و محروم و نادار ہیں ہم
بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم

کہاں زر پرستی کہاں قدر دانی
کہاں لوٹ و غارت کہاں مہربانی
کہاں تک یہ بالجبر مر مر کے جینا
لہو میں ہے کھولن جبیں پر پسینہ
دھڑکتی ہیں نبضیں سلگتا ہے سینہ

بڑا دکھ ہے ہم کو کہ بیکار ہیں ہم

(اعظم قمیص اور پتلون پہنے داخل ہوتا ہے ۔ مجید کو گنگناتا دیکھ کر کہتا ہے)

اعظم :- او بکواس پسند شاعر، بند کرو اپنا نوحہ، اور بتاؤ مجھے کہ تمہارے انٹرویو
میں کیا کیا سوالات پوچھے گئے ۔؟

(یہ کہہ کر وہ ٹائی ہاتھ میں لئے دیوار پر لگے ہوئے چھوٹے سے
آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر نکٹائی باندھنے لگتا ہے)

مجید : (ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھر کر) ہائے ہائے ۔ انٹرویو تھا بینک کی
کلرکی کا ۔ اور سوالات یہ پوچھے گئے ۔

سوال نمبر ایک : پاکستان کے دشمن ممالک افغانستان کو روپیہ کس بینک
یا بینکوں کی معرفت بھیجتے ہیں؟

اعظم : (نکٹائی باندھتے ہوئے) تم نے کیا جواب دیا؟

مجید :- میں نے جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے جس کو فاش کرنا مفاد عامہ کیلئے مضرت
کا باعث ہو سکتا ہے ۔

اعظم :- ہونہہ

مجید :- سوال نمبر ۲ ۔ افغان سوڈا واٹر کی ایک بوتل کی کیا قیمت ہے؟

میں نے جواب دیا : خریدار کی جیب میں جتنے بھی پیسے ہوں

(اعظم جو ٹائی باندھ چکا ہے، بالوں پر کنگھا کر رہا ہے)

مجید :۔ سوال نمبر ۲۔ ان دو کتابوں میں سے کونسی کتاب عالمگیر شہرت کی حامل ہے!

بک آف نالج یا چیک بک؟

اعظم :۔ ویری انٹرسٹنگ کوسچن! تم نے کیا جواب دیا

مجید :۔ میں نے جواب دیا ——— "بلاشبہ چیک بک جناب"!

اعظم :۔ بڑے میٹر آف فیکٹ قسم کے آدمی ہو یار تم۔

مجید :۔ شکریہ۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ اب رہا آخری سوال۔

پوچھا گیا کہ ——— پاکستانی عوام نے اپنے مکمل اعتماد کا جو بلینک چیک اپنے

رہنماؤں کو دیا تھا آیا وہ کیش ہوا یا نہیں؟

اعظم :۔ (کوٹ پہنتے ہوئے) تو گویا ایک ہی معقول سوال پوچھا گیا، تم نے کیا

جواب دیا' یہ سوال سنکر تو تمہاری "سٹی" گم ہوگئی ہوگی۔!

مجید :۔ اماں جاؤ یار ——— وہ فرسٹ کلاس جواب دیا ہے کہ انٹرویو بورڈ عش عش

کرنے لگ گیا۔ میں نے جواب دیا۔

"حضور! عوام کے مکمل اعتماد کا بلینک چیک

ایک آ۔ ڈ۔ چیک تھا۔ اور رہنماؤں کی بنک

میں نہ تو اکاؤنٹ تھا اور نہ کریڈٹ"!

اعظم :۔ بہت اچھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری صحبت میں تم دن بدن عقلمند

ہوتے جا رہے ہو۔

مجید :۔ (طنزیہ لہجے میں) جی ہاں ۔ بڑے خوبصورت ہیں آپ!

(اعظم مسکراتا ہے اور میز پر سے اپنی بی۔ اے کی ڈگری اور سرٹیفکٹوں کا پلندہ اٹھاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :۔ اچھا ۔ می گوناؤ ۔ وش می گڈ لک ۔

مجید :۔ بائی بائی ــــــ سکشن بورڈ بلس یو ۔

(اعظم دروازے تک جاتا ہے اور جیب میں ہاتھ ڈالکر کچھ سوچتا ہے اور پلٹ کر کہتا ہے)

اعظم :۔ ارے ہاں یار مجید ۔ تمہارا ایک خط آیا ہوا ہے ۔ غالباً تمہارے والد کا ہے ۔ کیونکہ لفافے پر ٹنڈو آدم کی مہر لگی ہوتی ہے ۔

(جیب سے خط نکالکر اس کی طرف لوٹتا ہے اور خط اسے دیتا ہے)

مجید :۔ روپیہ منگوایا ہوگا (لفافہ چاک کرتے ہوئے) ہم تو یار

خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر

(مجید بہ آواز بلند خط پڑھتا ہے اور اعظم سنتا ہے)

از سے ٹنڈو آدم (سندھ)

برخوردار نورِ چشم میاں مجید خاں طول عمرہٗ

دعا دیدہ بوسی پیار —— ہم تمام خیریت سے رہکر تمہاری خیریت بدرگاہِ الٰہی نیک چاہتے ہیں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ دریائے سندھ میں سیلاب اور بارشوں کی باعث اس سال فصل بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ بڑی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ تمہیں یہاں سے گئے ہوئے چار مہینے ہو چکے ہیں ابھی تمہیں نوکری ملی یا نہیں ہے؟ پچھلے خط میں تم نے لکھا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر تمہیں نوکری مل جائے گی۔ پتہ نہیں تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ خدا تمہیں صحبتِ بد سے بچائے۔ تم نے لکھا تھا کہ عنقریب روپیہ بھی بھیجو گے روپیہ جلد بھیجو۔ ہماری بڑی تنگی میں بسر ہو رہی ہے۔

اعظم :۔ (چونک کر) تنگی میں بسر ہو رہی ہے۔

مجید :۔ اوہ —— نہیں تنگی میں بسر ہو رہی ہے۔ قبلہ والد صاحب نقطوں کو زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہیں معلوم ہوتے۔

اعظم :۔ چلو آگے پڑھو۔

مجید :۔ ہاں تو ہماری بڑی تنگی میں بسر ہو رہا ہے۔ تمہارے دونوں چھوٹے بھائی ...... آوارہ ہو گئے ہیں، کیونکہ یہاں کے اسکول کی

عمارت کو ایک بڑے افسر کی رہائش گاہ کے لئے الاٹ کر دیا گیا ہے

اسی لئے ان کا پڑھنا لکھنا سب ختم ہو گیا ہے۔ وہ بچے سڑکوں پر گلی ڈنڈا

اور گولیاں کھیلتے رہتے ہیں اور بازاری گالیاں سیکھ رہے ہیں۔ مولا رکھ کر

تمہاری امی کی آنکھیں بہت خراب ہو گئی ہیں۔ وہ عینک لگانا چاہتی ہیں

جب تم ٹنڈو آدم آؤ تو ان کے لئے ایک دس نمبر کی عینک ضرور لیتے آؤ۔

اعظم :۔ دس نمبر کی عینک ۔ بہت خوب !

مجید :۔ (پڑھتے ہوئے) ۔ پیارے بیٹے کی زچگی ہو گئی ہے ۔ جڑواں

بچے ہوئے تھے ۔ ایک بچہ مر گیا دوسرا حیات ہے ۔ زچہ اور بچے دونوں

اللہ کے فضل سے تندرست ہیں ۔ اب کی بقر عید پر ٹنڈو آدم ضرور

آؤ ۔ اور ہاں آتے ہوئے کراچی کا ایک بکرا بھی خرید لیتے آنا ۔ بڑی

تعریف سنی ہے کراچی کے بکروں کی ۔ کسی کراچی جانے والے کے ذریعے

گھر کا تیار کردہ ایک مکھن کا ڈبہ بھیج دوں گا ۔ ہر کھانے پر مکھن استعمال

کرو ۔ اور صحت کا خیال رکھو ۔ اپنے دوست اعظم کو سلام کہنا ۔

اعظم :۔ وعلیکم السلام ، اور دیگر احوال یہ ہے کہ مکھن کا ڈبہ ضرور بھیجئے ۔ کراچی

میں ہر جگہ مکھن کی ضرورت پڑتی ہے ۔

مجید :۔ (پڑھتے ہوئے) خط کا جواب جلد دو اور کم از کم سو روپے بوالپسی ڈاک

بذریعہ منی آرڈر بھیجدو۔ سخت انتظار رہیگا۔

تمہارا باپ

چودھری یوسف خان

خط بند کردیتے ہوئے (" گھبراؤ ــــ روپیہ بھیجو، بذریعہ تار منی آرڈر

بھیجو" ــــ)

اعظم :۔ یار مجید۔ چودھری صاحب نے روپیہ تو ایسی بے تکلفی سے منگوایا ہے

جیسے ان کا فرزند دلبند پاکستان کا وزیر خزانہ لگا ہوا ہے۔

مجید :۔ (لمبی ٹھنڈی سانس لیکر) واہ جی، میرے پیارے والد چودھری یوسف خان صاحب

اللہ آپ کو ہمیشہ اچھا رکھے۔

اعظم :۔ اچھا بھئی اب میں چلا۔ بڑی دیر ہو گئی۔

مجید :۔ آل رائیٹ۔ بائی بائی

(اعظم باہر چلا جاتا ہے، مجید آرام کرسی پر دراز ہوجاتا ہے)

ــــ پردہ گر جاتا ہے ــــ

دوسرا منظر

(ایک سڑک ۔ بس اسٹاپ ۔ بس اسٹاپ کے کھمبے کے ساتھ ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کھڑی بس کا انتظار کر رہی ہے، اس کے ہاتھ میں ایک اکسرسائیز بکس کا ایک پلندہ ہے ۔ آنکھوں پر سیاہ رنگ کا چشمہ، سادہ مگر جاذب نظر لباس پہنے ہوئے ہے ۔ بس کے انتظار میں وہ ایک اکسرسائیز بک دیکھ رہی ہے ۔ اس کے علاوہ بس اسٹاپ پر کوئی نہیں ہے ۔ سڑک بھی سنسان ہے ۔ اتنے میں اعظم ایک طرف سے داخل ہوتا ہے ۔ اس نوجوان لڑکی کو دیکھ کر رکتا ہے مسکراتا ہے اور دبے پاؤں اس کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے قریب جا کر کہتا ہے ۔

اعظم :۔ ہیلو مس نورافشاں بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔

نورافشاں :۔ (چونک کر) اوہ اعظم! بڑے عرصے کے بعد ملے ہیں آپ! کہاں رہتے ہیں آجکل؟

اعظم :۔ یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا نور کہ آجکل میں کہاں رہتا ہوں، البتہ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو پھر سوچنے لگ جاتا ہوں کہ مجھے کہاں رہنا چاہیئے! جی تو چاہتا ہے کہ اس سڑک کو چھوڑ کر اس راستہ پر چلنا شروع کردوں جس پر تمہارے چہرے کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے۔ جسکی فضا تمہاری چوڑیوں کی کھنک، تمہار پازیبوں کی جھنک اور تمہارے جسم کی خوشبو سے مہک رہی ہو، جس کے کنارے تمہارے لمبے جسم کا سرو کھڑا ہے اور زلفوں کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں پھیلی ہوئی ہے۔ اور......

نورافشاں : (شرماتے ہوئے) نان سنس کیا بکواس کر رہے ہو، یہ سڑک ہے، بس اسٹاپ ہے کوئی یہ باتیں سن لے تو......

اعظم :۔ اس کی پرواہ نہ کرو نور، اول تو لوگ سرے سے یہاں موجود ہی نہیں، اگر ہوتے بھی تو وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بس اسٹاپ بھی دنیا کی چند رومینٹک جگہوں میں سے ایک ہے۔

نورافشاں :۔ (بات بدلتے ہوئے) اچھا اعظم، بانو آجکل اسکول کیوں نہیں آرہی ہے؟

اعظم :۔ یہ بھی خوب رہی، بانو نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ اس کی مس نے یہ کہا تھا کہ اگر اس مہینے بھی اسکول فیس نہیں لاؤ گی تو اسکول آنے کی ضرورت نہیں، خود ہی منع کرتی ہو اور خود ہی پوچھتی بھی ہو۔

نورافشاں :۔ واہ ! میں اس کی مس تھوڑی ہوں، اس کی کلاس ٹیچر تو مس رضیہ ہے رضیہ نے کہا ہوگا، میں تو اسے صرف انگلش پڑھاتی ہوں۔ میں بھلا ایسے کیسے کہہ سکتی ہوں جبکہ ......

اعظم :۔ (بات کاٹتے ہوئے) جب کہ وہ محمد اعظم کی چھوٹی بہن ہے، کیوں ؟

نورافشاں : (پیار سے) شٹ اپ ! آپ بانو کی تعلیم نہ روکیں۔ وہ بڑی ذہین لڑکی ہے، اور فیس کا کیا ہے، وہ کون بڑا مسئلہ ہے۔

اعظم :۔ مسئلہ ! مس نورافشاں تعلیم کا مسئلہ ملک کے دفاع کے بعد سب سے اہم مسئلہ ہے، لیکن فیس کا مسئلہ تو عام مسائل کا فادر ان لا ہے !

نورافشاں :۔ ان فضول باتوں کو چھوڑیئے، آپ کل سے بانو کو اسکول بھیجئے، فیس میں دیدیا کروں گی۔

اعظم :۔ نہ نہ میڈم نہ، یہ تکلیف نہ کیجئے، اب بانو کو آٹا ہی گوندھنے دیجئے، اس زمانے میں آٹا کتاب سے زیادہ ضروری ہے۔

نُورافشاں :۔ خوامخواہ غیریت برت رہے ہو

اعظم :۔ غیریت نہیں بلکہ غیب۔۔ برت رہا ہوں ۔ اچھا اب مجھے اجازت دو مجھے انٹرویو میں جانا ہے، ابھی بارہ بجے ۔

(جانے لگتا ہے تو نُورافشاں کہتی ہے)

نورافشاں :۔ آؤ نا، بس میں چلتے ہیں

(اعظم کوٹ کی دونوں جیبیں باہر اُلٹ کر)

اعظم :۔ اُدھر تو بے بسی ہے نُور !

نورافشاں :۔ ٹکٹ میں لے لوں گی ۔

اعظم :۔ اب تو صرف ایکبار ٹکٹ کٹوانے کا ارادہ ہے میڈم اور وہ بھی اس ستائیس برس پُرانی دُنیا سے جاتے وقت !

نورافشاں :۔ بیکار کا تکلف چھوڑ، اعظم، آؤ

اعظم :۔ (اس کے قریب جا کر) انتظار کرو نور، ہماری زندگی میں وہ دن بہت جلد آنیوالا ہے، جب ہم دونوں بس، ٹرام، ٹرین، اسٹیمر، ہوائی جہاز، سینما اور کرکٹ میچ کے ٹکٹ اکھٹے خریدا کریں گے ۔

نورافشاں :۔ (شرماتے ہوئے) ضدی کہیں کے، اچھا اعظم ! دیکھو آج شام کو تو ملو گے نا، مجھے تم سے بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں ۔ میں آج شام چھ بجے

برنس گارڈن میں تمہارا انتظار کروں گی، آؤ گے نا!

اعظم :۔ آف کورس

نورافشاں :۔ مجھے بہت شدت سے انتظار رہیگا۔

اعظم :۔ میں ضرور آؤں گا، وہ دیکھو تمہاری بس آرہی ہے، ٹاٹا

نورافشاں :۔ ہاتھ ہلاتے ہوئے بس کی طرف بڑھتی ہے، اعظم اپنے راستے چلا جاتا ہے۔

(پردہ اٹھ جاتا ہے)

تیسرا منظر

(اسٹیج ایک چوبی پردے سے دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، ایک طرف ایک کرسی ایک میز اور میز کے سامنے ایک کرسی ہے، میز جیسے کسی دفتر کی ہے، جس پر دوات قلم اور کیلنڈر سے لیکر وہ ساری اسٹیشنری سجی ہوئی ہے جو ایک دفتر کی میز پہ ہوتی ہے۔ چوبی پردے کے دوسری طرف ایک کرسی پر ایک چپراسی سو رہا ہے اور ساتھ ہی ایک لمبی سی بینچ بچھی ہوئی ہے، پردہ اٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ایک بہت موٹا توندیل بدشکل آدمی جو اس دفتر کا مالک ہے، داخل ہوتا ہے، چپراسی کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے۔ پہلے وہ اپنے ڈنڈے کی نوک اس کی ناک کی نوک پہ رکھتا ہے۔ چپراسی نیند میں مکھی اڑانے کے انداز میں ہاتھ ہلا دیتا ہے

اس کے بعد دفتر کا مالک اپنے ڈنڈے کو پلٹ کر وہ سرا جو اس کے ہاتھ میں چپراسی کے پیٹ میں چبھوتا ہے۔ چپراسی ہڑبڑا کر جاگ پڑتا ہے، دفتر کا مالک غصے سے پوچھتا ہے۔

مالک :۔ دفتر کے اوقات میں سوتے ہو

چپراسی :۔ معاف کیجئے صاحب، رات بھر میرے بچے نے رو رو کر مجھے سونے نہیں دیا۔

مالک :۔ کل سے اپنے بچے کو بھی دفتر لایا کرو۔

چپراسی :۔ (حیران ہو کر) جی ؟

مالک :۔ تاکہ وہ تمہیں یہاں بھی نہ سونے دے۔

(یہ کہہ کر افسر غصے سے اندر چلا جاتا ہے، اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیتا ہے، جیسے خود بھی سو رہا ہے۔ اتنے میں چپراسی والے حصہ میں اعظم داخل ہوتا ہے اور سیدھے اندر جانے لگتا ہے کہ چپراسی ہاتھ پھیلا کر اسے روکتا ہے۔

چپراسی :۔ ہاں ہاں ہاں، میاں اندر کہاں جا رہے ہو ؟

اعظم :۔ صاحب ہیں ؟

چپراسی :۔ (اندر کی طرف جھانک کر) ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔

اعظم :- کیا مطلب ؟

چپراسی :- ہیں ، اس لئے کہ ہیں ، اور نہیں ، اس لئے کہ سو رہے ہیں ۔

اعظم :- یہ کون سا سونے کا وقت ہے ۔ اب تو بارہ بج رہے ہیں ۔

چپراسی :- اماں بڑے آدمیوں کے تو ہمیشہ پورے بارہ ہوتے ہیں ۔

اعظم :- لیکن صاحب نے تو مجھے ٹھیک بارہ بجے بلایا تھا ۔

چپراسی :- ٹھیک ہے ۔ اس وقت تو تمہارے بارہ بج رہے ہیں ، جب صاحب کے بارہ بجیں گے ، دیکھا جائیگا ، جاؤ ، وہاں بنچ پہ بیٹھ جاؤ (یہ کہکر چپراسی جیب سے چنے نکالکر مٹھی بھر چنے پھانک لیتا ہے)

(اعظم کچھ سوچکر قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور پھر مسکراتے ہوئے چپراسی کے پاس آکر انگوٹھے پر چونی رکھکر انگلی سے اوپر اچھالتا ہے اور پوچھتا ہے)

اعظم :- بھیا ، تمہارا نام کیا ہے ؟

(چونی کو دیکھکر چپراسی کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور وہ چنے پھانکتا گنگھیا کر مسکراتا ہوا اور بڑی لجاجت کے لہجے میں کہتا ہے)

چپراسی :- محمد رمضان

اعظم :۔ واہ بھئی واہ ۔ نام محمد رمضان اور یوں دن دہاڑے چنے پھانک رہے ہو

(اس کے بعد وہ ایک بار اور چونی انگوٹھے پر جماتا ہے اور اسے اچھالتے ہوئے کہتا ہے)

بھئی محمد رمضان اگر تم چاہو تو ابھی صاحب کے بارہ بجا سکتے ہو۔

(چپراسی ہوا میں اچھلی ہوئی چونی کو ہاتھ بڑھا کر اچک لیتا ہے اور چونی کو دکھاتے ہوئے اعظم سے کہتا ہے)

چپراسی :۔ اگر یہ بات ہے تو میں ہر وقت صاحب کے بارہ بجا سکتا ہوں۔

(یہ کہہ کر وہ کاغذ کی ایک چٹ اعظم کو دیتا ہے ۔ اعظم اس پر اپنا نام لکھتا ہے ۔ اور چپراسی دبے دبے پاؤں اندر جاتا ہے، صاحب خراٹے لے رہے ہیں ۔ چپراسی پہلے آہستہ سے کھنکارتا ہے لیکن صاحب نہیں جاگتے، پھر وہ زور سے کھنکارتا ہے، صاحب ہڑ بڑا کر جاگتے ہیں اور عینک لگا کر اسے دیکھتے ہیں اور منہ چڑا کر کہتے ہیں)

صاحب :۔ اوہ تم ہو کمبخت ، میں تو اسوقت لیڈی اسٹینو گرافر کی توقع کر رہا تھا، اچھا دیکھو، اسطرح کھنکار کر کسی کو جگانا نہایت بدتمیزی کی بات ہے، سمجھ گئے

چپراسی :۔ "جی ہاں"۔

مالک :۔ "تو جاؤ پھر"

چپراسی :۔ "حضور۔ ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

(وہ اعظم کا کارڈ پیش کر دیتا ہے۔ مالک بلند آواز سے پڑھتے ہیں)

محمد اعظم بی۔ اے (الگ)

مالک :۔ بھیجدو اندر۔

(چپراسی جاتا ہے اور اعظم کو اندر بھیجتا ہے)

اعظم :۔ السلام علیکم۔

مالک :۔ وعلیکم السلام رحمت اللہ وبرکاتہٗ

(اور پھر عینک لگا کر اسے دیکھتا ہے۔ پھر آدھے شیشوں والی عینک لگا کر دیکھتا ہے، اس کے بعد ایک آنکھ کا چشمہ لگا کر دیکھتا ہے اور کہتا ہے اور اعظم بڑی حیرت سے اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا ہے)

مالک :۔ بیٹھ جاؤ۔ ماشاءاللہ بہت تندرست اور خوبصورت نوجوان ہو۔

اعظم :۔ جی، یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔

مالک :۔ (قہقہہ لگا کر) بھئی یہ بھی خوب رہی! ذرہ نوازی؟ اماں یار تم تو پہاڑ ہو پہاڑ!

اعظم :۔ (مسکراتے ہوئے) اچھا تو چلئے یہ آپ کی پہاڑ نوازی ہوئی۔

مالک :۔ یہ ہوئی نہ کوئی بات، اچھا یہ بتاؤ، یہاں کیوں آئے ہو؟

اعظم :- جی میں علیگڑھ یونیورسٹی کا فرسٹ کلاس گریجویٹ ہوں، پچھلے تین سال سے شدید قسم کی بیروزگاری کے دن گذار رہا ہوں۔

مالک :- بہت خوب، بہت اچھا کر رہے ہو۔

اعظم :- دحیہ۔ان ہوکر جی!

مالک :- جی وہی کچھ نہیں، بس کہے جاؤ، کہتے چلے جاؤ، تاکہ ہم سنتے جائیں اور سنتے چلے جائیں۔

اعظم :- مجھے آپ کے دوست سفارش علی خاں صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپ کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اسکی جگہ خالی ہے اگر آپ اس کی جگہ مجھے مامور.....

مالک :- (بات کاٹ کر) اماں بھولکر بھی اس جگہ کا نام نہ لو، جب سے ہماری فرم قائم ہوئی ہے، ہم نے کوئی چودہ سپرنٹنڈنٹ ملازم رکھے، لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے جیسے ہی کوئی سپرنٹنڈنٹ ملازم ہوتا ہے، تین چار ہفتوں کے اندر اندر انتقال کر جاتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آسامی سپرنٹنڈنٹ کی نہیں بلکہ موت کی آسامی ہے۔

اعظم :- جی میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کیونکہ آجکل میں جو زندگی گذار رہا ہوں وہ موت سے بھی بدتر ہے۔

مالک :۔ اماں بھئی ۔ کیوں اپنا انتقال کرانے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔

اعظم :۔ قبلہ میں نے عرض کیا، میں موت سے نہیں ڈرتا ۔

مالک :۔ بھئی کیا ڈینگ مار رہے ہو! موت سے نہیں ڈرتے ؟ اماں نوجوان ہم نے تو بڑے بڑے رستموں کو موت کے سامنے کانپتے ہوئے دیکھا ہے۔ اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب کوئی دوسرا مرتا ہے تو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔

اعظم :۔ جناب عالی آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں ۔ میں آج کل تنگ آمد بہ جنگ آمد کا مصداق ہو گیا ہوں ۔

مالک :۔ نوجوان ، شاید تمہیں نہیں معلوم کہ تم اس وقت کہاں بیٹھے ہو ؟ میاں یہ فوجی بھرتی کا دفتر نہیں کہ تم موت اور جنگ کی باتیں کرو ۔ بھیا یہ بکروں اور میندھوں کی کھالیں اور آنتیں درآمد برآمد کرنے کا دفتر ہے ۔ اب تم بتاؤ بکروں اور مینڈھوں کی کھالوں اور آنتوں کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں ۔؟

اعظم :۔ جی کچھ نہیں ۔

مالک :۔ تو پھر کیسے گریجویٹ ہو یار تم ! کالج میں کیا پڑھا تم نے ؟

اعظم :۔ جناب عالی ، میں نے فرسٹ کلاس میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے ۔ میں نے ولیم شیکسپیئر ، جارج برنارڈ شاہ ، اور آغا حشر کے سارے ڈرامے ، شیلے کیٹس ، غالب ، اور اقبال کی ساری غزلیں اور نظمیں ، ڈاکٹر جانسن سے لیکر

ابراہیم جلیس تک سارے مشہور ادیبوں کی تصنیفات، اس کے علاوہ عمرانیات، معاشیات، سیاسیات ....

مالک:۔ (بات کاٹ کر) تصنیفات، عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، لیکن بکرے کی آنت نہیں، کیوں؟ اچھا بتاؤ شارٹ ہینڈ اور ٹائپ جانتے ہو؟

اعظم:۔ نہیں

مالک:۔ اکاؤنٹنسی!

اعظم:۔ جی نہیں

مالک:۔ اچھا تو یہ بتاؤ کہ ولیم شکسپیئر نے بکرے کی کھال، اور اقبال نے فیڈ سٹ کی آنت کے بارے میں کوئی ڈرامہ، کوئی غزل، کوئی نظم اور کوئی مضمون وغیرہ لکھا ہے؟

اعظم:۔ جناب عالی: میرا یہ خیال ہے کہ ولیم شکسپیئر اور علامہ اقبال اس معاملے میں بڑے بدذوق تھے۔

مالک:۔ واقعی بڑے بدذوق تھے۔

اعظم:۔ وہ تو صرف انسانوں کے بارے میں لکھتے تھے۔

مالک:۔ (سمجھانے کے انداز میں) بھیا اپنا تو یہ تجربہ ہے کہ موجودہ زمانے میں بکرا انسان سے کہیں زیادہ قیمتی ہے اور اپنے لئے تو انسان سے کہیں زیادہ بکرا عزیز ہے، میرے بھائی، تم جانتے ہو، ہم نہ صرف بکرا کھاتے ہیں بلکہ بکرے کا دیا بھی

کھاتے ہیں۔

اعظم :۔ آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔

مالک :۔ درست فرمانا تو اپنی عادت ہے۔ اسی لئے میں تم سے یہ درست فرماتا ہوں کہ نوکری دوکری کا خیال چھوڑو۔ ماشاءاللہ سے تندرست اور خوبصورت نوجوان ہو۔ میں تمہیں اپنے ایک عزیز دوست سیٹھ دولت خاں کے نام ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں، سیٹھ دولت خاں کروڑپتی آدمی ہیں، ان کی تین کنواری لڑکیاں ہیں، ممکن ہے تمہارا کام بن جائے۔

اعظم :۔ (حیران ہو کر) کنواری لڑکیاں، میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!

مالک :۔ (رقعہ لکھتے ہوئے) سب کچھ سمجھ جاؤ گے برخوردار، سب کچھ سمجھ جاؤ گے!

(رقعہ لکھ کر لفافہ میں بند کر کے اعظم کو دیتا ہے)

مالک :۔ بس اب سیدھے وہیں جاؤ، اللہ بہتری کریگا۔

اعظم :۔ مگر.....

مالک :۔ اب یہ مگر اگر چھوڑ یار، جاؤ بھی اب، سونے دو،۔ بھئی کمال کرتے ہو

(یہ کہکر وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کرسی کی پشت پر دراز ہو جاتا ہے)

اعظم :۔ (کھڑے ہو کر) بہتر ہوتا اگر آپ مجھے اپنے ہی ہاؤس......

مالک :۔ (اسی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے) بھئی اب ہم گہری نیند میں سو رہے ہیں

یعنے کچھ نہیں سن رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ، جب کچھ نہیں سن رہے ہیں تو جواب بھی نہیں دے سکتے۔ اور اگر جواب دے بھی دیا تو وہ تمہارے لئے بیکار ہے، کیونکہ خواب میں کہی ہوئی باتیں ہمیشہ جھوٹ ہوتی ہیں۔

(اعظم، غور سے سوئے ہوئے مالک کو دیکھتا ہے اور سینہ بھر کر ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور آہستہ سے باہر جاتا ہے، اس وقت مالک ایک آنکھ کھول کر اعظم سے کہتا ہے)

مالک :۔ سفارش علی خاں اور سیٹھ دولت خاں کو میرے سلام بھی کہہ دینا۔

(اعظم جیسے پلٹ کر دیکھتا ہے، مالک اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے اور ایک زور کا خراٹا لیتا ہے۔ اعظم دونوں کندھے اُچکا کر پھر باہر نکل جاتا ہے، باہر چپراسی اسے روکتا ہے)

چپراسی :۔ کیوں بھیا، صاحب نے تمہارا کام بنایا؟

اعظم :۔ کام تو نہیں بنایا، البتہ مجھے ضرور بنایا ہے۔

چپراسی :۔ تو پھر مولا کا شکر ادا کرو اور ایک دوسری چوّنی اچھالو

اعظم :۔ (دانت پیس کر) چونی چاہیئے۔ چونی!

چپراسی (گھگھیا کر) ہاں، چونی!

اعظم :۔ (اُلٹے ہاتھ سے مارنے کے انداز میں) ابے بھاگ مرنی کے

چپراسی:۔ (آستین چڑھاتے ہوئے) پھر کبھی آؤ گے تو سمجھ لوں گا۔

(پردہ گر جاتا ہے)

چوتھا منظر

(باغیچہ ۔ ایک بنچ پر نورافشاں بیٹھی ایک کتاب کے مطالعہ میں محو ہے ۔ اعظم پیچھے سے داخل ہوتا ہے اور اپنی فیلٹ ہیٹ اس کے سر پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :۔ ہیلو مس یونیورس !

نورافشاں : (مصنوعی غصہ سے اسکی فیلٹ ہیٹ نکال کر ساتھ بنچ پر رکھ دیتی ہے اور کہتی ہے)

تم کبھی وقت کی پابندی نہیں کرتے ۔ پورے ۴۵ منٹ لیٹ ہو ، میں تو بس اب جانے ہی والی تھی ۔

اعظم :۔ جب وقت میری پرواہ نہیں کرتا تو میں نے بھی اسکی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے ۔

نورافشاں : (اُس کی کلائی کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہارے ہاتھ کی گھڑی کیا ہوگئی اعظم ؟

اعظم :- میونسپل کارپوریشن کے کلاک ٹاور کیلئے ایک گھڑی کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے اپنی گھڑی بیچ دی ۔

نورافشاں :- (ٹھنڈی سانس بھر کر) پتہ نہیں اعظم ، کب تمہیں کوئی کام ملیگا، کب تک اسطرح اپنی چیزیں بیچ بیچ کر گذارا کرتے رہو گے ؟

اعظم :- ان فضول باتوں کو چھوڑو - یہ باغ ہے ، یہاں کچھ ایسی باتیں کرو جو پھولوں کی طرح خوش رنگ ہوں ، کلیوں کی طرح مہکتی ہوں ، شبنم کی بوندوں کی طرح چمکیلی ہوں اور جو اس ہری ہری گھاس کی طرح نرم اور ملائم ہوں ۔

نورافشاں :- اعظم ! میں بہت عرصے سے تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ..... کہ ..... کہ اگر تم بُرا نہ مانو تو جب بھی ضرورت پڑے مجھ سے پیسے لے لیا کرو ، پھر جب تمہیں نوکری مل جائے گی ، تم سارے پیسے مجھے لوٹا دینا ، ہم دونوں کوئی غیر تھوڑی ہیں ، آج نہیں کل .... (شرما کر چپ ہو جاتی ہے)

اعظم :- نہ نہ میڈم ، میں ایسا کبھی نہ کر سکوں گا ، جس معاشرے میں رہتا ہوں اس میں مرد عورت کی ہتھیلی پر روپیہ رکھتا ہے ۔ اس معاشرے میں ہمیشہ سے کوٹ کماتا اور ساڑھی بیٹھ کر کھاتی ہے ۔

نورافشاں :- تم کیسی دقیانوسی باتیں کرتے ہو ۔ تعلیم یافتہ ہو کر بھی عورت کو مرد سے

کمتر سمجھتے ہو۔

اعظم :- میں تو نہیں سمجھتا، لیکن زمانہ ایسا ہی سمجھتا ہے، لیکن باغ میں اور شام کے وقت یہ تم عورت کے سماجی درجہ کا کیا موضوع چھیڑ بیٹھی ہو، کوئی چاکلیٹ، پیپرمنٹ، اور چیونگ گم جیسی باتیں کرو نا۔!

نورافشاں :- ایسی باتیں میں کیسے کر سکتی ہوں اعظم، تم نہیں جانتے میں آجکل کیسے ذہنی عذاب سے گذر رہی ہوں۔ تم اباجی کو جانتے ہو، امی کے مرنے اور فوج سے پنشن لینے کے بعد وہ کیسے غلط راستوں پر پڑ گئے ہیں۔ شراب اور رنگ رلیوں میں انہوں نے جمع کیا ہوا سارا روپیہ اڑا دیا ہے۔ آجکل سیٹھ حاجی رحمت اللہ کے عیاش بیٹے مسعود سے ان کی بڑی گہری چھن رہی ہے وہ اس سے ہزاروں روپے قرض لے چکے ہیں۔

اعظم :- انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اب انہیں راہِ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔

نورافشاں :- میں انہیں اُن کے حال پر تو چھوڑ دوں اعظم لیکن، لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسعود سے میرا سودا بھی طے کر لیا ہے اور وہ آوارہ اور بدمعاش مسعود ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اسکول تک چلا آتا ہے، راستہ چلنا مشکل کر رکھا ہے، کار لئے میرے پیچھے پیچھے گھومتا ہے، مجھے اُس سے سخت نفرت ہے۔ اعظم، سخت نفرت ہے۔

اعظم :۔ اب اگر کبھی مسعود سے ملاقات ہو تو اُس سے کہنا کہ اعظم نہ صرف ایک بہت اچھا باکسر بلکہ فری اسٹائل بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔

نُورافشاں :۔ تم سنجیدہ سے سنجیدہ بات کو بھی یونہی مذاق میں ٹال دیتے ہو، حالانکہ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

اعظم :۔ تو پھر تم چاہتی کیا ہو؟ میں اس سلسلہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟

نورافشاں :۔ تم بہت کچھ کر سکتے ہو، مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ تم زندگی کے راستے پر آخر تک میرے ساتھ چلو گے۔ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑو گے تاکہ میں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکوں۔

اعظم :۔ ہمارے ملک کی نوجوان لڑکیاں بھی عجیب جذباتی ہوتی ہیں، شادی کی فکر میں آئسکریم کی طرح پگھلتی رہتی ہیں۔

نُورافشاں :۔ تمہاری یہی باتیں مجھے پسند نہیں۔ بتاؤ کیا کروں؟

اعظم :۔ انتظار میڈم، انتظار!

نورافشاں :۔ آخر کب تک۔؟ اگر اس انتظار کے دوران میرا روپیہ اور شراب کا لالچی باپ مجھے نیلام کر دے تو.....!

اعظم :۔ (نُورافشاں کے دونوں کندھے پکڑ کر اُس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے بھرپور اعتماد کے لہجے میں کہتا ہے)

دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں نیلام نہیں کر سکتی نور۔! اور اگر تمہارا نیلام بھی ہوگا تو سب سے اونچی بولی میں بولوں گا، یہ ٹھیک ہے کہ میری جیب میں سگریٹ کا آدھا پیکٹ خریدنے کے بھی پیسے نہیں ہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ضرور خرید سکتا ہوں۔ ضرور خریدوں گا۔ ضرور اپنالوں گا۔

نورافشاں:۔ مگر......

اعظم:۔ (اٹھتا ہے اور نورافشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتا ہے)

اب یہ اگر مگر چھوڑو۔ آؤ کسی بڑھیا ریستوران میں چلکر ڈنر کھاتے ہیں، میں جہاں ٹیوشن پڑھاتا ہوں وہاں سے مجھے تنخواہ ملی ہے اور آج میں تمہیں اپنا نمک کھلانے کے بہت مُوڈ میں ہوں، آج مانگو جو مانگتی ہو، آج میں اس بغداد کا خلیفہ ہارون رشید ہوں۔ آؤ چلو۔

(اعظم اور نورافشاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلے جاتے ہیں)

:- پردہ اٹھتا ہے :-

پانچواں منظر

(نورافشاں کے باپ کا ڈرائنگ روم ۔ نورافشاں کا باپ ریٹائرڈ کرنل ارباب خان، بیچ کے لمبے صوفے پر بیٹھا ہے اور اخبار پڑھ رہا ہے ۔ پردہ اُٹھنے کے کچھ دیر بعد ایک سوٹیڈ، بوٹیڈ نوجوان جس کے مُنہ میں پائپ لگا ہوا ہے اور جو چہرے بُشرے سے بڑا پُرتصنع نوجوان معلوم ہوتا ہے، اندر داخل ہو کر ہلکے سے کھنکارتا ہے، کرنل چونکتا ہے)

کرنل ارباب خان :۔ اوہ مسعود! آؤ بھئی آؤ ۔ آجاؤ ۔

مسعود :۔ (بیٹھتے ہوئے) ماشاءاللہ، کرنل صاحب آجکل تو دن بہ دن آپ کی صحت نکھرتی چلی جا رہی ہے ۔

کرنل ارباب :۔ (مونچھوں کو وتے ہوئے) میاں مسعود! اب کیا رکھا ہے، تم جوانی میں

دیکھئے۔ اب تو عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ ہے، لیکن اب بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر حکومت میری خدمات حاصل کرے تو چوبیس گھنٹوں کے اندر سری نگر پہنچکر مہاراجہ کشمیر کے محل پہ اپنا سبز ہلالی پرچم نہ لہرا دوں تو میرا نام ارباب خان نہیں۔

مسعود:۔ کوائٹ ٹرو، کوائٹ ٹرو کرنل صاحب!

(اسی اثنا میں نورافشاں داخل ہوتی ہے اور مسعود کو دیکھکر ٹھٹک جاتی ہے)

کرنل ارباب:۔ آؤ بیٹی۔ آجاؤ۔ یہاں کوئی غیر نہیں بیٹھا ہے۔

(مسعود سے مخاطب ہوکر) یہ میری بیٹی نورافشاں ہے، کہنے کو تو میں اس کا باپ ہوں، لیکن جہاں تک میری نگہداشت کا تعلق ہے یہ میری باپ ہے۔ میں تو اپنی ساری پنشن شراب میں اُڑا دیتا ہوں۔ یہ بیچاری ملازمت کرتی اور گھر کا سارا خرچ چلاتی ہے۔ میں چونکہ آزاد خیال آدمی ہوں، اس لئے عورتوں کے ملازمت کرنے کو بُرا نہیں سمجھتا،

(نورافشاں سے مخاطب ہوکر):۔ بیٹھو بیٹی، بیٹھ جاؤ، تم انہیں جانتی ہو! تم بھلا انہیں کیسے جان سکتی ہو، پہلے تمہارا کبھی تعارف ہی نہیں کرایا گیا، یہ ہیں مسٹر مسعود علی خان۔ میرے نہایت عزیز دوست، سیٹھ حاجی رحمت اللہ سوت گولہ والے کے اکلوتے صاحبزادے، حال ہی میں ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے لوٹے ہیں۔

مسعود:۔ ویری گلیڈ ٹو میٹ یو مادام!

(مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے، لیکن نورافشاں اپنے دونوں ہاتھ باندھ لیتی ہے

مسعود جھینپ کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور کہتا ہے)

مسعود :- نیور مائینڈ - نیور مائینڈ، ابھی ہماری کنٹری کی گرلز بڑی شائی ہیں ترقی تو

کچھ انگلش گرلز نے کی ہے، کرنل صاحب، جب میں لندن میں تھا ......

کرنل احباب :- (بات کاٹ کر) اماں یار لندن وندن کی بات چھوڑو، شام پڑ رہی ہے

کہو، کچھ پیو گے؟ (نورافشاں سے مخاطب ہو کر)

جاؤ بیٹی، بتی جلانے کا انتظام کرو۔

مسعود :- (حیران ہو کر روشنی کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے) بتی تو جل رہی ہے

کرنل صاحب!

کرنل :- اماں یہ بتی نہیں، بلکہ وہ بتی جو روح میں جلتی ہے -

(نورافشاں اٹھتی ہے - اور اندر جاتی ہے۔ مسعود مسکرا کر کہتا ہے)

مسعود :- اوہ! خوب، خوب

کرنل :- میاں مسعود! یہ شراب بھی خوب چیز ایجاد ہوئی ہے، اسے ام الخبائث

کہا جاتا ہے، لیکن مجھے تو یہ "ام المظلومین" معلوم ہوتی ہے - ایک گھونٹ میں سارے

دکھ درد، دور ہو جاتے ہیں - اور یہ برسوں پرانی بوڑھی دنیا جوان نظر آنے

لگتی ہے، اپنی تو خداوند تعالیٰ سے ایک گذارش ہے، ہم مرنے کے بعد جنت،

میں جانے سے تو رہے ۔ دوزخ کے سوائے اپنا ٹھکانہ اور کوئی نہیں ۔ لیکن خداوند تعالیٰ سے صرف اتنی اجازت لوں گا کہ ہمیں جہنم کا کوئی گوشہ تنہائی دیدے اور اسکاچ وہسکی کی ایک بوتل ۔ بس اپنی آخرت سنور جائے گی ۔

(اسی اثنا میں نورافشاں نوکر کو ساتھ لیکر آتی ہے ، نوکر کے ہاتھ میں ایک ٹرے ہے جس میں بلیک اینڈ وہائیٹ کی بوتل ، دو گلاس ، ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اور برف کا ڈونگا رکھا ہوا ہے ۔ نوکر قرینے سے یہ ساری چیزیں میز پر جمادیتا ہے ۔ اس کے بعد نورافشاں نوکر کے ساتھ جانے لگتی ہے تو مسعود پوچھتا ہے)

مسعود :۔ آپ ہمیں کمپنی نہیں دیں گی ۔

نورافشاں :۔ سوری ! (اندر چلی جاتی ہے)

مسعود :۔ ویری سیڈ ! کرنل صاحب جب میں لندن میں تھا ......

کرنل :۔ (پیگ بناتے ہوئے بات کاٹ کر) اماں اب بھول جاؤ لندن کو ۔ جب سے ہم آزاد ہوئے ہیں ، لندن کراچی سے بہت دور ہو گیا ہے ۔ یہ کراچی ہے کراچی ۔ جب میں فوج میں تھا ......

مسعود :۔ (انتقاماً بات کاٹ کر) آپ کی ڈاٹر کا ایجوکیشن کہاں تک ہے ؟

کرنل :۔ بی ۔ اے ۔ بی ٹی پاس ہے ۔ میں اسے اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن بھیجنا چاہتا تھا ، چنانچہ جب میں فوج میں تھا ....

مسعود :- (بات کاٹ کر) ویری گڈ - ہماری کنٹری کی گرلز اب کافی ایجوکیٹڈ ہوتی جارہی ہیں - چنانچہ جب میں لندن میں تھا.......

کرنل :- (بات کاٹ کر) اماں پیو گے نہیں، بناؤں پیگ؟

مسعود :- نو تھینکس - میں ڈرنک تو کرتا ہوں لیکن آپ میرے گھر کے احول کو جانتے ہیں، کسقدر آرتھوڈاکس ہے - آجکل میں اپنے بیڈ روم میں چھپ کر پیتا ہوں تاکہ کسی کو پتہ نہیں چلے - چنانچہ جب میں لندن میں تھا..........

کرنل :- (بات کاٹ کر) بہت اچھا کرتے ہیں آپ، خدا بخشے جب والد مرحوم زندہ تھے - میرے ساتھ بھی یہی مصیبت تھی - تم تو بیڈ روم میں چھپ کر پیتے ہو اور یار تو لیوٹری میں چھپ کر پی لیا کرتے تھے - بہرحال پیتے ضرور تھے - اور جب میں فوج میں تھا........ (ٹھنڈی سانس بھر کر) اچھا میاں، اب موج کے وقت فوج کا کیا ذکر؟

(پیگ اٹھاتا ہے اور ٹوسٹ پروپوز کرنے کے انداز میں کہتا ہے)

کرنل :- اچھا - خدا حافظ

(مسعود - "خدا حافظ" سن کر کچھ پریشان ہوتا ہے گھڑی دیکھتا ہے اور کرنل کی طرف، لیکن کرنل ایک سانس میں پورا گلاس غٹ غٹ چڑھا کر خالی گلاس میز پر رکھتا ہے اور اپنی بھیگی ہوئی مونچھوں کو صاف کرتے ہوئے، مسعود

سے کہتا ہے)

کرنل :- مسعود میاں - میں جب پیتا ہوں تو ہمیشہ "خدا حافظ" کہکر ہی پیتا ہوں کیونکہ مجھ جیسا پینے والا جب پانچ چھ پیگ پی جاتا ہے تو پھر سچ مچ خدا کی حفاظت میں پہنچ جاتا ہے، چنانچہ جب میں فوج میں تھا.........

مسعود :- (بات کاٹ کر) بہت خوب، بڑی ناولٹی ہے اس طرح پینے میں! جب میں لندن میں تھا......

کرنل :- (بات کاٹ کر) آجکل آپ کی اپنی آمدنی کیا ہے مسعود صاحب!

مسعود :- ابھی تو مجھے بارہ سو روپے ماہوار پاکٹ منی ملتی ہے، لیکن آپ تو جانتے ہیں ملٹی ملینیر کا بیٹا ہوں - فادر تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کے بعد میں ساری جائیداد کا اکیلا وارث ہوں -

کرنل :- ہونہہ - اچھا تو پھر آپکے فادر کب تک اس دنیا سے تشریف لیجانے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟

مسعود :- (چونک کر) کیا فرمایا آپنے کرنل صاحب!

کرنل :- (بات سمجھکر) معاف کیجئے، ذرا ہلکا ہلکا سا اناٹگزیکیشن ہو رہا ہے، ممکن ہے اسی کے تحت یہ واہیات بات منہ سے نکل گئی -

مسعود :- (مسکراتے ہوئے) اوہ، کوئی بات نہیں - میں بھی سچ پوچھئیے تو بڑی مدت سے

ایسی واہیات بات کا انتظار کر رہا ہوں ۔ میں جب لندن میں تھا۔۔۔۔۔۔

کرنل :۔ (بات کاٹ کر) بڑے سعادت مند ہو ۔ ماشاءاللہ ۔ آخر بھلا کب تک اس طرح بیڈ روم میں چھپ چھپ کر پیتے رہو گے ؟

مسعود :۔ (ہنسکر) کرنل صاحب ۔ میں آج جس مقصد کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے وہ بیان کر دینا چاہیے ۔

کرنل :۔ ضرور، ضرور بیان کیجئے ۔

مسعود :۔ میں یہ عرض لیکر حاضر خدمت ہوا تھا کہ اب آپ مجھے اپنی فرزندی میں لینے کے معاملے میں تاخیر سے کام نہ لیں ۔ آپ یقین رکھئے جب تک میرے والد صاحب میرے سر پر شادی کا سہرا نہیں دیکھیں گے وہ یہ دنیا ہرگز نہیں چھوڑیں گے ۔

کرنل :۔ ان سے ہمیشہ کیلئے اجازت لینے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے ۔

مسعود :۔ اوں ہوں، فی الحال تو کوئی نہیں ۔

کرنل :۔ لیکن مسٹر مسعود، ابھی ذرا میرا ہاتھ تنگ ہے، فوج سے مجھے گیارہ ہزار روپے ملنے والے ہیں ۔ امید ہے کہ آئندہ مہینے تک مل جائیں ۔ آخر میں اپنی بیٹی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں ۔

مسعود :۔ روپوں کی بات چھوڑیئے، مجھ سے اور قرض لے لیجئے، ویسے بھی اب آپ کا اور میرا روپیہ الگ الگ تو نہیں ہے ۔ آج تو تاریخ مقرر ہی کر دیجئے گا کرنل صاحب!

کیونکہ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو میں بزنس ٹور پر لندن جارہا ہوں، ارادہ ہے کہ ہنی مون وہیں مناؤں۔

کرنل :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) دوسری مصیبت یہ ہے مسٹر مسعود کہ لونڈیا اپنے کالج کے زمانے کے ایک مفلس ساتھی کی محبت میں گرفتار ہے۔

مسعود :۔ یہ بھی میں جانتا ہوں۔ شائد اس کا نام اعظم ہے۔ لیکن کرنل صاحب، میرے پاس روپیہ ہے۔ یہ مجھ پر چھوڑیئے، میں ایک چھوڑ دس اعظم خرید سکتا ہوں۔

کرنل :۔ (تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے ہوئے) اچھا۔ تو پھر اللہ کا نام لیکر تاریخ مقرر کیے دیتے ہیں۔ اگلے مہینے کی دوسری تاریخ کیسی رہے گی؟

مسعود :۔ میں تو آج بھی تیار تھا۔ خیر اگلے ماہ کی دوسری تاریخ ہی سہی۔ اچھا کرنل صاحب میں سمجھتا ہوں کہ اب مجھے چلنا چاہیئے۔

(کرنل پیگ ہاتھ میں لئے گہری سوچ میں مبتلا ہے)

مسعود :۔ پاکستان آکر مجھ سے وقت کی پابندی کی عادت چھوٹتی جارہی ہے، جب میں لندن میں تھا......

کرنل :۔ (چونک کر غصے سے بات کاٹتے ہوئے) اماں کیا لندن، لندن لگا رکھا ہے تم آدمی ہو یا لندن! ارے بھائی ہم بھی لندن گئے تھے، تم سمجھتے ہو ہم صرف ٹنڈو آدم ہی گئے تھے، جب میں فوج میں تھا......

مسعود :۔ (جو کرنل کے اس اچانک غصے سے حیران ہے خود بھی غصہ میں آکر اس
کی بات کاٹتا ہے)
" رہنے دیجئے کرنل صاحب، میں آپ کی فوج والی بات ہرگز نہیں سنوں گا۔

کرنل :۔ کیوں بھلا؟

مسعود :۔ آپ میری لندن والی بات سنتے ہی نہیں۔

کرنل :۔ (ہلکا سا قہقہہ لگا کر) اچھا یہ بات ہے! گرم کیوں ہوتے ہو۔ فرض کرلو کہ نہ میں کبھی فوج میں تھا اور نہ تم کبھی لندن میں تھے۔ چلو ہوی نا بات ختم۔ اچھا بھیا اب تم بھی جاؤ۔ میں بھی آرام کروں۔ اب تو میں بڑے مزے میں ہوں: نشہ میں بالکل ٹائیٹ، نشہ اور نیند سے آنکھیں کڑ وائی جارہی ہیں۔ جب میں فوج میں تھا....
(یہ کہکر مسعود کی طرف دیکھتا ہے، لیکن مسعود بات نہیں کاٹتا، اس لئے
کرنل پوری بات کہہ دیتا ہے)
" تو ٹھیک دس بجے بستر پر دراز ہو جاتا تھا۔

مسعود :۔ اور جب میں لندن میں تھا
(یہ کہکر وہ کرنل کی طرف دیکھکر رُک جاتا ہے، لیکن بات کاٹنے کے
بجائے کرنل کہتا ہے)

کرنل :۔ رُکو نہیں، کہے جاؤ کہے جاؤ

مسعود :۔ جب میں لندن میں تھا تو ٹھیک گیارہ بجے بستر پر دراز ہوجاتا تھا۔

(دونوں ہنستے ہیں۔ مسعود کھڑا ہوجاتا ہے)

مسعود :۔ اچھا کرنل صاحب! اب مجھے اجازت دیجئے، گڈنائیٹ

کرنل :۔ گڈنائیٹ!

مسعود :۔ (دروازے کے قریب جاکر)

کل شام ایوی ننگ ٹی میں آپ ہی کے ساتھ پیوں گا۔

کرنل :۔ آل رائیٹ۔ گڈنائیٹ۔

(مسعود چلا جاتا ہے۔ اس کے جاتے ہی نورافشاں اندر کمرے میں داخل

ہوتی ہے)

نورافشاں :۔ ابا جی، یہ تاریخ کیا مقرر ہو رہی تھی؟

کرنل :۔ تمہاری شادی کی تاریخ بیٹی!

نورافشاں :۔ کس سے؟ اس چمڑی کے غلام سے، اس دیمک کے بادشاہ سے، اس جھینی

لنگور سے! جو ابھی ابھی یہاں سے روانہ ہوا ہے!

کرنل :۔ تم تو اس سے بڑی ناراض معلوم ہوتی ہو!

نورافشاں :۔ میرا بس چلے تو میں دنیا کی کسی لڑکی سے اس کی شادی نہ ہونے دوں!

کرنل :۔ تم اس کو جانتی ہو؟

نورافشاں :- بہت اچھی طرح - اس نے کئی بار اسکول آکر مجھ سے ملنے کی کوشش کی، سڑکوں پر میرا پیچھا کرتا ہے غنڈہ کہیں کا !

کرنل :- (سمجھانے کے انداز میں) بیٹی تم پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو - یہ بھی جانتی ہو کہ اس دنیا کی سب سے بڑی خوبصورتی دولت اور سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے اور وہ اس کے پاس ہے -

نورافشاں :- مجھے ایسی خوبصورتی اور طاقت سے نفرت ہے !

کرنل :- (کھڑے ہوکر قدرے غصے سے) نور ! میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس مفلس لونڈے نے بہکا رکھا ہے - وہ محبت کے سوائے تمہیں کیا دے سکتا ہے ؟ محبت ڈبل روٹی نہیں جو تمہارا پیٹ بھر سکے - محبت جارجٹ کی ساڑھی نہیں، جو تمہارا جسم ڈھانک سکے، محبت کوئی کوٹھی نہیں جس میں تم رہ سکو، نکالو اس منحوس لونڈے کو دل سے -

نورافشاں :- (کرخت لہجے میں) آباجی ! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے آپ اس معاملہ میں مجھے کوئی رائے نہیں دے سکتے -

(کرنل چونک کر حیرت سے اپنی بیٹی کو گھور گھور کر دیکھتا ہے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب آتا ہے اور بڑے ملائم لہجے میں کہتا ہے)

کرنل :- یہ ضد چھوڑ دو بیٹی۔ اب میں باپ بنکر تم سے بات کر رہا ہوں - اور اس ملک کے تمام باپوں کی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک شاندار کوٹھی کی مالکن بنو۔ رولس رائس کار میں گھومو، تمہارے بک شیلف میں ناولوں اور دیوانوں کے بجائے صرف چیک بک ہی چیک بک ہوں۔ رہا زندگی گذارنے کا سوال — تم پڑھی لکھی سمجھدار ہو، جسطرح کوئی نہایت بدصورت لڑکی تمہاری عمدہ سہیلی بن سکتی ہے اسی طرح مسعود بھی ایک اچھا شوہر ہو سکتا ہے۔

نورافشاں :- اباجی - مجھے نہ کوٹھی چاہیئے نہ رولس رائس نہ چیک بک، نہ روپیہ!

کرنل :(غصہ سے) لیکن مجھے تو چاہیئے!

نورافشاں :- (ایک دم چونک کر حیرانی سے) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اباجی!

کرنل :- (ایکدم سنبھلکر نہایت دردناک لہجے میں) بیٹی - آج میں تمہیں وہ راز بتا ہی دوں گا جو میں نے ہمیشہ تم سے چھپائے رکھا۔ ویسے وہ راز کیا۔ ایک عام سی بات ہے جسکو تم آئے دن اپنی آنکھوں سے ارد گرد کے گھروں میں اور فلموں میں دیکھتی ہو، ناولوں اور افسانوں میں پڑھتی ہو،۔ وہی بار بار دہرائی جانیوالی بات پھر دہرائی جارہی ہے۔ میں سیٹھ حاجی رحمت اللہ سوت گولہ والے کا ڈیڑھ لاکھ روپے کا مقروض ہوں - یہ مکان جس میں تم رہتی ہو یہ بھی انہی کے پاس رہن ہے۔ وہ چاہیں تو مجھے کسی وقت بھی جیل بھجوا سکتا ہے، کسی وقت بھی خودکشی پر مجبور کر سکتا ہے

یہ ......یہ !..... خدا ہی کی طرف سے بات ہوئی کہ مسعود خود تمہارا

گرویدہ ہو گیا۔

نورافشاں :۔ اور آپ اب مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے کے پرامیسری نوٹ کی طرح استعمال

کرنا چاہتے ہیں !

کرنل :۔ میں بہت مجبور ہوں بیٹی ! ویسے اگر تم مجھے جیل بھجوا کر میری غیر طبعی موت کا

نظارہ کر سکتی ہو تو تمہیں ہر بات کا پورا پورا حق ہے بیٹی ۔

نورافشاں :۔ لیکن آبا جی ! میں بالکل پسند نہیں کرتی ، بالکل نہیں باجی !

کرنل :۔ شریفوں کی بیٹیاں کبھی اپنا شوہر خود نہیں پسند کرتیں ۔ بلکہ ان کے ماں باپ

ان کے شوہر پسند کرتے ہیں ، بتاؤ کیا تمہاری ماں نے مجھے پسند کیا تھا ؟ ہرگز نہیں ،

وہ مجھ سے پہلے پہل نفرت کرتی تھی ۔ لیکن میری شادی اس سے ہونی تھی ، ہو گئی ،

ایسا سب شریف گھرانوں میں ہوتا ہے ، ہم بھی شریف لوگ ہیں بیٹی !

نورافشاں :۔ (طنزیہ لہجہ میں) ہونہہ شریف لوگ !

کرنل :۔ (غصہ سے) تمہیں اسی وقت جواب دینا پڑیگا نور ! کیا تم باپ کی غیر طبعی

موت یا لمبی قید پر ایک مفلس نوجوان کی محبت کو ترجیح دو گی ۔ کیا تم اتنی

خود غرض ہو بیٹی کہ اپنے عیش کی خاطر تم اپنے باپ کی ایک درخواست کو ٹھکرا دو گی

جس نے پچھلے پچیس سال سے تمہیں بالکل بے غرض طریقہ پر پالا ، پوسا ، تعلیم دی

تمہیں اتنا کچھ بنا دیا اور کبھی اس کا معاوضہ تک طلب نہیں کیا۔

نورافشاں:۔ (غصے سے) معاوضہ! (دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھکر چیختی ہوئی اندر بھاگتی ہے)

بس اباجی بس، میں اب کچھ نہیں سنوں گی، کچھ نہیں سننا چاہتی، کچھ نہیں سننا چاہتی۔

(کرنل غصے سے شراب کا آدھا پیگ اٹھاتا ہے اور غٹ غٹ چڑھا کر گلاس اس زور سے میز پہ رکھتا ہے کہ گلاس ٹوٹ جاتا ہے)

: اور پردہ گر جاتا ہے :

چھٹا منظر

"سڑک ۔ فٹ پاتھ پر ایک بنچ بچھی ہوئی ہے ۔ جس پر اعظم بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے ۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام گرانڈیل نوجوان جس نے ٹیکسی ڈرائیوروں جیسی ٹوپی پہنی ہے، چوڑے پٹوں والی رنگ برنگی چست بنیان اور نیلے رنگ کی تیلرن میں ملبوس پاؤں میں لانگ بوٹ گلے میں ایک رنگین رومال ۔ صورت شکل سے وہ غنڈہ اور پاکٹ مار معلوم ہوتا ہے اعظم کو بہترین سوٹ میں ملبوس دیکھکر وہ ہال کی طرف دیکھکر آنکھ مارتا ہے اور آہستہ آہستہ اُس کے قریب جاکر بنچ پر ساتھ بیٹھ جاتا ہے اور مسکراتے ہوئے پوچھتا ہے۔"

غنڈہ :۔ جرا ماچس ہوئینگا بابو تمہارا پاس ؟

(اعظم اس پر ایک سرسری نظر ڈالکر جیب سے ماچس نکالکر اس کے حوالے کر دیتا ہے، اور اخبار پڑھنے میں مصروف ہو جاتا ہے)

غنڈہ :۔ (اسی طرح گھگھیا کر مسکراتے ہوئے) ماچس کے واسطے ایک سگرٹ بھی مل جائیگا بابو ؟

(اعظم اخبار سے چہرہ ہٹا کر غور سے غنڈے کو دیکھتا ہے اور جیب سے پاسنگ شو سگریٹ کی ڈبیا نکالکر اسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے)

اعظم :۔ جناب بڑے بے تکلف انسان معلوم ہوتے ہیں، لیجئے شوق فرمایئے۔

غنڈہ :۔ (سگریٹ لیکر مسکراتے ہوئے) تم بڑا گڈ آدمی معلوم ہوتا ہے بابو۔

(اعظم کوئی جواب نہیں دیتا۔ غنڈہ ماچس زور سے جلاتا ہے جس سے ایک شعلہ بھڑک کر بجھ جاتا ہے)

غنڈہ :۔ بابو یہ سالا تمہارا ماچس کیسا ہے۔ سالا جلتا کم جلا جاتا زیادہ ہے، ذرا تم تکلیف کرنا۔!

(اعظم اس کے ہاتھ سے ماچس لیکر جلاتا ہے، لیکن جب اس کا سگریٹ جلانا چاہتا ہے تو غنڈہ اعظم کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالدیتا ہے، لیکن اعظم فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، غنڈہ پریشان ہو جاتا ہے، اعظم کہتا ہے)

اعظم :- میرے نئے دست کار دوست، تم اس میں سے جو کچھ نکالنا چاہتے ہو وہ اس میں نہیں ہے۔ جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر تمہیں مایوسی ہوگی۔ اس جیب میں صرف ایک میلا رومال، پاسنگ شو کی تین سگریٹیں، تھوڑے سے چنے اور میری محبوب کا ایک محبت نامہ ہے۔

(غنڈہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے لیکن اعظم مضبوطی سے اس کی کلائی پکڑ رکھتا ہے)

اعظم :- گھبراؤ نہیں! میرے دوست میں تمہیں پولس کے حوالے نہیں کروں گا، اطمینان سے بیٹھو۔ مجھے تمہاری ایک مہربانی کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔

غنڈہ :- ہم تم کو ایک دم گلت سمجھا بابو، ہم کو معاف کر دیو، ہم سالا بڑا سوری فیل کرتا پڑا ہے۔ ہم پارڈن مانگتا ہے۔ مرسی مانگتا ہے۔

اعظم :- تم مرسی مانگتا اور ہم تمہارا تھینکس ادا کرتا ہے کہ تم نے جیب کاٹنے کیلئے قینچی یا ریزر بلیڈ استعمال نہیں کیا، ورنہ کالج کے دنوں کی یہ آخری اور بہترین یادگار۔ یعنی یہ سوٹ ستیاناس ہو جاتا۔ اب یہی ایک سوٹ باقی رہ گیا ہے، جس سے عزت بچی ہوئی ہے۔ تمہیں روکنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کر کے تمہاری شاگردی اختیار کرنا چاہتا ہے

غنڈہ :- ہم سمجھا نہیں، سالا تم کیا بولتا پڑا ہے؟

اعظم :- میں تم سے یہ دستکاری سیکھنا چاہتا ہوں یعنے یہ سیکھنا چاہتا ہوں کہ جیب کس طرح کاٹی جاتی ہے۔

غنڈہ :- چھی چھی - تم بابو لوگ - تم سالا کیسے میں یہ کام کر سکتا ہے۔

اعظم :- ہم بڑبر میں کرنا سکتا مسٹر..... مسٹر؟ تمہارا نام!

غنڈہ :- (ماتھے پر بالوں کی ایک لٹ گرا کر) عبدل عرف دلیپ کمار - جب ہم بمبئی میں رہتا تو اکھا بمبئی سالا ہم کو "پرنس آف چوپاٹی" بولتا تھا۔

اعظم :- ویل ہز ہائی نس پرنس آف چوپاٹی - تم آج ہم کو اپنا شاگرد بنالو- ہم بہت تنگ آگیا ہے۔

عبدل :- تم سالا ہم پر چوٹ مارتا ہے - ہم سمجھ گیا۔

اعظم :- چوٹ نہیں مارتا عبدل، تم نہیں جانتا، ہم سالا تم سے بھی جیاستی کڑکا ہے ادھر دو سال سے نوکری کی تلاش کرتا پڑا ہے لیکن سالا نوکری سالا لوگ کو ملتا ہے، تم تو جیب کاٹ کر کچھ نہ کچھ کما ہی لیتا ہے۔ لیکن سالا ہم یہ بھی نہیں کر سکتا اب تم ہی بتاؤ، ہم پاکٹ نہیں مارینگا تو کیا کریں گا۔

عبدل :- پن کے بابو، پاکٹ مارنا تو بڑا زرم ہے، کرائم ہے۔

اعظم :- تمہارا ہمارا پاکٹ مارنا ضرور جرم ہے عبدل، کیونکہ تمہیں اور ہمیں پاکٹ مارنے کا صحیح طریقہ نہیں آتا، ہاتھ کی صفائی، ریزر بلیڈ، اور قینچی سے جیب

کاٹتا ہے ۔ لیکن یہ جو بڑی توند والا ہوتا ہے نا ، یہ جیب کاٹنے کیلئے قینچی ، بلیڈ یا انگلی نہیں استعمال کرتا بلکہ چیزوں کی قیمتیں بڑھا کر بازار کی چیزیں چوربازار میں لیجاکر ، مکانات کیلئے ہمارے اور تمہارے سروں پر پگڑیاں باندھکر حکومت اور قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایسی صفائی سے جیب کاٹتا ہے کہ جیب بھی موجود ، جیب والا بھی موجود ، لیکن جیب کا مال صاف !

عبدل :۔ (زور کا قہقہہ لگا کر اعظم کی پیٹھ پر محبت سے ایک زور کا ہاتھ مارتا ہے اور کہتا ہے) یار تم بڑے مجے کی باتیں کرتا ہے ، ہم کو سالا تم پر رحم آتا ہے ۔ پن کی فکر نئیں کرو ۔ آج سے ہم تمہارا دوست ہے ، تمہارا برادر ہے تم ہم کو بمبئی میں ملتا تو ہم تم کو بھی پرنس بنا دیتا ۔ تم سالا یہاں ملا ۔ ادھر تو اپنا بڑا خانہ خراب ہوگیا ۔ بڑی گڑ مافک لائف ہے ۔ لوگوں کو کھانے کو روٹی تو کیا پائزن تک نہیں ملتا ، پھر بھی ہم فرینڈ کا مافک تمہارا ہیلپ کریگا ۔

(یہ کہکر عبدل جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکالکر اعظم کی جیب میں ڈالنا چاہتا ہے اور اعظم اس کا ہاتھ روکتا ہے تو عبدل غصے سے کہتا ہے)

عبدل :۔ خدا قسم تم ہمارا ہاتھ نئیں روکونی ۔ ہم تم کو فرینڈ بولا ۔ برادر بولا ، تم برادر کا مدد نہیں لیگا تو ہم تمہارا لائف کا دشمن بن جائیگا ۔ تم نے کبھی موالی کا محبت نہیں دیکھا ہم کبھی بہت اچھا آدمی ہے بابو ۔

اعظم :- تمہارا بہت بہت شکریہ مسٹر عبدل، سچ مچ تم بہت اچھا آدمی ہے، کوئی آدمی ماں کے پیٹ سے اچھا یا برا نہیں پیدا ہوتا۔ سب انسان معصوم پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے ہونے کے بعد اچھا یا برا ماحول اور یہ کمبخت روپیہ اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اب جو تم یہ برا کام کرتے ہو مجبوری کی وجہ سے کرتے ہو، جس طرح پرانے زمانے میں گھی ٹیڑھی انگلی سے نکلتا تھا۔ اسی طرح اس زمانے میں روپیہ بے ایمانی سے حاصل ہوتا ہے۔

عبدل :- اب سالا تم لیکچر بازی چھوڑو۔ ہمارا بھیجا نکو کھاؤ۔ ہم تمہارے کو ایک کام دلانا سکتا ہے، مگر سالا تم نیں کریگا۔

اعظم :- ہم برابر کرے گا۔

عبدل :- (دونوں ہاتھ اٹھاکر) بہت محنت کا کام ہے۔

اعظم :- ہم محنت سے نہیں ڈرتا۔ محنت دنیا کی سب سے بڑی عزت ہے۔ ہم بھی محنت کی روٹی کھانا منگتا ہے۔

عبدل :- تو پھر سالا تم فکر کیوں کرتا ہے۔ آج ہی ہم تم کو وہ کام دلائیں گا۔ تم رات میں وہ کام کرو، دن کو بڑی نوکری ڈھونڈو۔ تم سالا بی۔ اے پاس ہے، تم کو ضرور کوئی بڑا نوکری ملینگا۔ تم سالا پولیس میں انسٹے پر (انسپکٹر) بن جائینگا آؤ اٹھو چلتے ہیں۔

(عبدل اعظم کو بنچ پر سے اٹھالیتا ہے)

عبدل :- ابھی ذرا ہم بندر روڈ کا ایک چکر لگائینگا، اگر آج کوئی بڑا پاکٹ ملیں گا

تو ہم تم کو ففٹی ففٹی دیدیں گا، تم دعا کرو، کوئی مرغا پھنسے۔

اعظم :- یہ بہت بری بات ہے عبدل۔ میں تمہیں یہ کام کرنے نہیں دوں گا۔

عبدل :- اڑے جاؤ رے۔ جب تک پولیس میں انسٹے پر بن جائینگا تو ہم تمہارا

سامنے پاکٹ ماریں گا۔ تم کیا سمجھتا ہے۔ ہم پرنس آف چوپاٹی ہے، پرنس

آف چوپاٹی، ہا ڈو یو ڈو!

عبدل ناچنے کے انداز میں چلتا ہے اور گاتا ہے

۶ - ہم لاکھ چھپلیں ری گوری ہم تم کے

-: پردہ اٹھتا جاتا ہے :-

ساتواں منظر

"اعظم کا کمرہ ۔ فرنیچر وہی جو پہلے منظر میں تھا ۔ کمرے میں مجید بیٹھا ایک تصویر کے فریم کو کھول رہا ہے ۔ اعظم تھکے ہارے قدموں داخل ہوتا ہے اور آرام کرسی پر گر کر پوچھتا ہے"۔

اعظم :۔ سناؤ بھئی حکیم دقیانوس ! کیا جھک مار رہے ہو ؟

مجید :۔ اپنی بی ۔ اے کی سند پر مس ریٹا ہیورتھ کی تصویر چڑھا رہا ہوں ، کم از کم کمرے کی رونق تو بڑھ جائے گی ۔

اعظم :۔ بہت اچھا کر رہے ہو ۔ میری بی ۔ اے کی ڈگری پر نور جہاں کی تصویر لگا دو کم از کم آنکھوں کو تراوٹ تو محسوس ہو گی ۔

مجید :۔ یار اعظم ! یہ بی ۔ اے کی ڈگری ردی میں بھی تو فروخت نہیں ہو سکتی ۔

اچھا بتاؤ تمہارے انٹرویو کا کیا بنا ؟

اعظم :- وہی جو تمہارے انٹرویو کا بنا اور سارے انٹرویوز کا بنتا چلا آیا ہے ۔

مجید :- ارے ہاں اعظم - میں تو تمہیں آج کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ بتانا بالکل ہی بھول گیا ۔ آج صبح تم نے اخبار میں دوسرے صفحہ پر ایک اشتہار پڑھا تھا نا !

اعظم :- نوکری کا !

مجید :- نہیں یار چھوکری کا ! کوئی سیٹھ دولت خان ہے - اس کی تین لڑکیاں ہیں ایک کی عمر سولہ سال ، دوسری کی پچیس سال ، تیسری کی تیس سال ۔ اشتہار میں اعلان تھا کہ جو نوجوان اسکی سولہ سالہ لڑکی سے شادی کریگا ، اسے سولہ ہزار روپے کا جہیز ، جو پچیس سالہ لڑکی سے شادی کریگا ، اسے پچیس ہزار روپے کا اور جو تیس سالہ لڑکی سے شادی کریگا اسے تیس ہزار روپے کا جہیز ملیگا ، شرط یہ ہے کہ لڑکا گریجویٹ ضرور ہو ۔

اعظم :- تو پھر تم یہاں بیٹھکر کیا جھک مار رہے ہو ، فوراً جاتے کیوں نہیں ؟

مجید :- یار وہیں سے تو آکر بیٹھا ہوں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کسی حوّا کے لئے میری پسلی بانجھ ہی چھوڑی ہے ۔

اعظم :- کیا تمہیں ری جکٹ کر دیا گیا ؟

مجید:- نہیں! سیٹھ نے تو مجھے پہلے بہت پسند کیا۔ لیکن بعد میں مرنے مارنے پر تیار ہو گیا۔

اعظم:- تم ہو ہی بیہودہ، ضرور کوئی اوٹ پٹانگ بات کی ہو گی!

مجید:- نہیں یار، یہ بات نہیں۔ جب سیٹھ نے مجھے پسند کر لیا اور پوچھا کہو اب کیا کہتے ہو؟ تو میں نے سیٹھ سے پوچھا

سیٹھ صاحب! تیس سال سے زائد عمر کی کوئی بیٹی نہیں آپ کی؟

اس پر سیٹھ کو غصہ تو بہت آیا۔ ایکدم سرخ ہو گیا، لیکن غصہ کو پیتے ہوئے اُس نے کہا:

"اچھا تو ہم آپ کو اپنی بڑی لڑکی کے لئے فرزندی میں لیتے ہیں"۔

اس پر میں نے ایک اور تجویز پیش کی کہ

سیٹھ صاحب! کیا یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کی تینوں لڑکیوں سے بیک وقت شادی کر لوں!

بس بھیا کچھ نہ پوچھو، سیٹھ ایکدم شیر کی طرح گرجنے لگا، اپنے نوکروں کی پلٹن بلوائی، لیکن تم جانتے ہو، تیز دوڑنے میں ساری یونیورسٹی میں اول نمبر تھا ایسا بھاگا کہ وہاں سے کہ یہیں آکر دم لیا۔

اعظم:- سیٹھ کے غصے میں آنے کی تو بظاہر کوئی وجہ نہیں نظر آتی، کیونکہ ہمارے

معاشرے میں ایک سے زائد شادیوں کی عام اجازت ہے، اچھا فکر نہ کرو میں تمہارے لئے راستہ ہموار کرتا ہوں۔ پرسوں میں جس انٹرویو میں گیا تھا اس کے آفیسر نے اسی سیٹھ دولت خاں کے نام مجھے ایک سفارشی رقعہ دیا ہے اگر سیٹھ نے مجھے پسند کر لیا تو میں اس کے سامنے یہ شرط پیش کروں گا کہ مجھے کوئی اچھی سی نوکری دیدیجئے۔ میں آپ کی لڑکیوں کیلئے مناسب بر ڈھونڈھ لاؤں گا۔ اس میں تمہارا چانس ممکن ہو سکتا ہے۔ مگر فرض کرو اگر لڑکیاں بدصورت نکلیں تو.....؟

مجید :- کوئی حرج نہیں، میں کالی اور بدصورت لڑکیوں کے بارے میں بڑا فراخ دل ہوں۔ بلکہ میں تو اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ اگر دنیا کے سارے مرد خوبصورت عورتوں سے شادیاں کریں تو یہ کالی پیلی لڑکیاں بیچاری کیا کریں اور پھر ان کے کالے یا بدصورت ہونے میں ان بیچاریوں کا کیا قصور؟ اور پھر بھیا! سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ میں خوبصورت عورت سے اس لئے شادی نہیں کرنا چاہتا کہ خوبصورت عورت کا شوہر اچھا خاصا تاج محل کا داروغہ بن جاتا ہے جو ہر دم یہ نگرانی کرتا رہتا ہے کہ تماشائی کہیں دیواروں پر پنسل سے لکیریں نہ کھینچ دیں۔ عمارت کا پلستر نہ اکھیڑ دیں، اور بغیر اجازت اندرونہ داخل ہوں۔

اعظم :- اچھا اچھا، اب بکواس بند کرو۔ میں کل ہی سیٹھ دولت خان کے پاس جاؤں گا، تمہاری برات تو کیا تمہارا جلوس نکلوا دوں گا، اچھا اب یونہی بیٹھے رہو گے، چلو گے نہیں نائٹ ڈیوٹی پہ!

مجید :- یار اعظم! عبدل نے جو نائٹ ڈیوٹی لگائی ہے وہ بڑی مشکل ہے۔ یار مجھے تو ایک ہی رات میں بخار ہو گیا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔

اعظم :- تو پھر تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں۔

(اعظم اٹھتا ہے)

مجید :- اور ہاں اعظم۔ ہماری نائٹ ڈیوٹی کا بعض لوگوں کو پتہ چل گیا ہے۔

اعظم :- اس سے کیا فرق پڑتا ہے! محنت میں کاہے کی شرم!

اعظم چلا جاتا ہے۔ مجید گنگنانے لگتا ہے۔

پھر کوئی آیا دلِ زار۔ نہیں کوئی نہیں

راہ رو ہو گا کہیں اور چلا جائے گا

گل کرو شمعیں بڑھاؤ مئے و مینا و ایاغ

اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو

اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئیگا

(آخری مصرعہ پر کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، مجید کہتا ہے)

مجید :۔ کم اِن

(مسعود علیخاں اندر داخل ہوتا ہے اور اپنا تعارف کراتا ہے)

مسعود :۔ مجھے مسعود علیخاں کہتے ہیں ۔ میں مسٹر اعظم سے ملنا چاہتا ہوں ۔

مجید :۔ جی وہ اس وقت تو باہر گئے ہوئے ہیں ۔

مسعود :۔ آپ یہیں رہتے ہیں ۔

مجید :۔ جی ہاں !

مسعود :۔ آپ مسٹر مجید تو نہیں ؟

مجید :۔ جی ہاں ۔

مسعود :۔ تو گویا آپ سے بھی بات کی جا سکتی ہے ، کیا آپ کل رات آٹھ بجے ، پکاڈلی نائٹ کلب آ سکتے ہیں ، بات آپ ہی کے فائدے کی ہے آپکی ساری مصیبتیں اور پریشانیاں دُور ہو سکتی ہیں ۔

مجید :۔ جی ! ۔ اچھا ، میں آجاؤں گا ۔

مسعود :۔ بہت بہت شکریہ ! تو میں کل رات آٹھ بجے آپ کا منتظر رہوں گا !

مجید :۔ جی !

مسعود :۔ اچھا مجھے اجازت دیجئے (مصافحہ کرتا ہے اور دروازہ تک جا کر رک جاتا ہے اور مجید کو یاد دلاتا ہے)

دیکھئے بھولئے گا نہیں، پکاڈلی نائٹ کلب!

مجید : اوا کے

(مسعود چلا جاتا ہے۔ پردہ گر جاتا ہے)

آٹھواں منظر

سڑک ـــــ اعظم میلی کچیلی تپلون اور میلی کچیلی قمیص میں ملبوس ہے اس کے پاؤں میں چپل ـــــ گلے میں ایک بڑا رومال ـــــ اور ہونٹوں میں بیڑی جلتی ہوئی ـــــ اتنے میں رکشا کی گھنٹی کی آواز آتی ہے ـــــ اور ساتھ ہی عبدل رکشا چلاتا ہوا اسٹیج پر آتا ہے ـــــ وہ گا رہا ہے ـــ

تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے
پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے

اعظم کے پاس آکر رکشا روک کر سیٹ پر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے)

اعظم :- سناؤ بھئی چوپاٹی کے شہزادے، کتنا بھاڑا کمایا تم نے ـــــ

عبدل :- ڈونٹ ٹاک مسٹر آجم، آج سالا اپنا موڈ اکیدم خراب ہو گیا سالا۔

اعظم :- کیوں کیا ہوا تمہارے موڈ کو ؟

عبدل :- آج اپنا ایک گوری میم صاحب سے فائٹنگ ہوگیا۔

اعظم :- گوری میم صاحب سے فائٹنگ ! کیوں ؟

عبدل :- دیکھو یار ! ہم اس کو بولٹن مارکیٹ پر رکشا میں بٹھایا، ایمپریس مارکیٹ لایا، پھر ہوا بندر لے گیا، اکھا تین کلاک گھمایا، آخر میں ہم کو دو روپے دیتا ہے ہم کو بڑا غصہ آیا، اوپر گرم گرم آسمان پھر یلا ہے، نیچے جمین جلتا پڑا ہے، ہمارا مستک پھریلا ہے، ہم بولا، فائیو روپیز نکالو میم صاحب، یہ تُو روپیز کیا دیتا ہے تم۔ میم صاحب بولا، جاؤ ہم نہیں دیگا، تم کونسا اس میں پیٹرول ڈالتا ہے، بس ہم اس بات پر ایکدم فرنٹ ہوگیا اور بولا

میم صاحب، ہم اس میں پیٹرول تو نہیں ڈالتا پن کی خون ڈالتا ہے خون بُلڈ ڈالتا ہے، پیٹرول دو روپے دس آنے میں گیلن ملتا ہے، ادھر خون کی کون قیمت دے سکتا ہے۔

میم صاحب بولا :- جاؤ بلڈی فول، بھاگ جاؤ، ہم دو روپے سے ایک پیسہ جیاستی نہیں دیں گا۔ تمہارا جو مرضی میں آئے کرلو۔

ہم بولا۔ میم صاحب، تم لیڈی لوگ ہے، ایسا نئیں بولنی کہ جو مرجی میں آئے کرلو، ہم جو مرجی میں آئے کریگا تو ہم کو دس سال کیلئے جیل میں بند کرادیں گا۔

اتنے میں بھائی لوگ اکٹھا ہو گئے، سب سالے گوری چمڑی سے ڈرتے ہیں ہم کو سالے بولنے لگے، لے لیو یار دو روپے ٹھیک ہے، ہم میم صاب کو بولا۔ "میم صاب، یہ دو روپے بھی تم رکھ لیو! ہم تم کو بخشش دیتا ہے۔" بخشش کا نام سنکر میم صاحب بہت گُسہ ہوا۔ بہت گُسہ ہوا، وہ جتنا گُسہ ہوا آجم بابو، ہم کو بہت اچھا لگا، ایسا معلوم پڑا کہ ہم سنیما اسکوپ دیکھ رہا ہے، ہم ایک دم محبت میں ڈیپ چلا گیا، میم صاب نے گُسے سے دو روپے پھینکا، اور گٹ پٹ کرتا گھر کے اندر چلا گیا، ہم نے دو روپے اٹھا لیا، پیڈل پر پاؤں رکھا، سینہ پر ہاتھ مارا، اور......

تو لاکھ چلی رے گوری تھم تھم کے

اعظم :۔ یار عبدل، تم جو عورت سے جھگڑا کرتا ہے، یہ بہت بُری بات ہے، ہر غیر عورت کی مرد کو عزت کرنی چاہیئے۔

عبدل :۔ ارے یار، یہ عورت مرد کا جھگڑا تو ہمیشہ چلتا رہتا ہے، عورت نہیں کریگا تو مرد جھگڑا کریگا، مرد نہیں کریگا تو عورت جھگڑا کریگا، تم خالی پیلی بوم مارتا ہے ادھر، اچھا بھئی، اب سنبھالو رکشہ۔ اپن بہت تھک گیا ہے سالا آج، ابھی ذرا میری بار جائیگا، خیر پور کی اسکاچ وہسکی کا آدھا پی کر کوئی پنجابی فلم دیکھنے جائیگا، اچھا بھئی، چیرز لو۔

اعظم :۔ بریک وریک سب ٹھیک ہے نا۔

عبدل :۔ بتی، گھنٹی، بریک آل رائٹ، ڈبری ٹائٹ کیا ہوں آں۔ آج باڈی

میں جان نیں سالا، اکھا دن اپوزیٹ کا ہوا مار تا رہا ہے سالا۔

(تھوڑی دُور جا کر)

آجم بابو! دیکھو سالا تم اِدھر میں کھڑا ہو، ادھر میں عورت لوگوں کا جو کالج ہے نا

اس میں کوئی جلسہ ملسہ ہوتا پڑا ہے، اُسی میں اچھا سواری مل جائینگا، اچھا اب

میں جاتا ہوں۔

(ناچنے کے انداز میں چلتے ہوئے گاتا ہے)

میں لاکھ چلوں ری گوری تھم تھم کے

اور اسٹیج سے باہر چلا جاتا ہے، اتنے میں نورافشاں دوسری طرف سے آتی

ہے۔ اعظم جلدی سے مُنہ پھیر کر گلے میں پڑے ہوئے رومال سے چہرہ چھپا لیتا ہے

نورافشاں آواز دیتی ہے

نورافشاں :۔ رکشا! خالی ہے!!

اعظم :۔ (مُنہ دوسری طرف کئے ہوئے) بیٹھیے میم صاب!

نورافشاں :۔ کوئنس روڈ کا کیا لوگے؟

اعظم :۔ جو مرضی میں آئے دید یجیے!

نورافشاں! نہیں ابھی بتا دو۔ بعد کی تکرار مجھے پسند نہیں، رکشہ والے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں۔ میں چھ آنے دوں گی۔

اعظم :۔ بیٹھ جائیے۔

(نورافشاں رکشہ میں بیٹھ جاتی ہے)

(اسٹیج پر رکشا کا ایک چکر، پھر رکشا پردے کے پیچھے سے گھوم کر پھر اسٹیج پر آتا ہے)

نورافشاں :۔ رکشا والے، بس یہیں روک لو، مجھے یہاں سے گلی میں جانا ہے، وہاں رکشا نہیں جاسکتی۔

(اعظم رکشا روک لیتا ہے، نورافشاں اترتی ہے، جب پیسے دینے لگتی ہے تو اعظم چہرے کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور پیسے اُسکے ہاتھ سے گر جاتے ہیں۔ وہ جب اٹھانے کیلئے جھکتا ہے تو اس کے مُنہ کا ڈھاٹا کُھل جاتا ہے، نورافشاں اسے دیکھ لیتی ہے اور چیختی ہے)

نورافشاں :۔ اعظم! ــــــ وہ اس کے قریب ہو جاتی ہے۔

اعظم :۔ (گھبرا کر اسے الگ کرتے ہوئے) نور، یہ کیا بچپن ہے، یہ سڑک ہے، رات کا وقت ہے، کوئی دیکھ لیگا تو کیا کہے گا؟

نورافشاں :۔ اب میں لوگوں سے نہیں ڈرتی، مجھے تمہیں اس حال میں دیکھکر بہت تکلیف

پہنچی ہے۔

اعظم :۔ اب گھر جاؤ نور، کل صبح باتیں کریں گے۔

نورافشاں :۔ میرے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ رات کے اندھیرے میں تم یہ ذلیل پیشہ کرتے ہو۔

اعظم :۔ ذلیل پیشہ ! لیکن میں اسے بہت معزز پیشہ سمجھتا ہوں۔ میں تمہارے شرفا کی طرح غریبوں کے منہ سے نوالے چھین کر ان کے جسموں کے کپڑے اتار کر، زندگی کو چور بازار میں لیجاکر، عورت کا بیوپار کر کے پیسہ نہیں کماتا، محنت کرتا ہوں!

نورافشاں :۔ لیکن میں تمہیں یہ کام ہرگز کرنے نہیں دوں گی۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں جب تک تمہیں کوئی اچھی نوکری نہیں ملتی میں تمہارے گھر کا سارا خرچ برداشت کروں گی!

اعظم :۔ اس تکلیف کی میں آپکو اجازت نہیں دے سکتا میڈم، میرے ہاتھ پاؤں بہت مضبوط ہیں۔

نورافشاں :۔ یہ جھوٹی خودداری ہے۔ حماقت ہے، بیوقوفی ہے، تمہیں شرم نہیں آتی، ایسا ذلیل کام کرتے ہوئے .....!

اعظم :۔ ذلیل کام ۔۔ ذلیل کام ۔۔ ! میڈم۔ جب تک اس زمین پر چاندی کے سکے کا آٹھواں آسمان پھیلا ہوا ہے، اس زمین پر اندھیرا ہی اندھیرا چھایا

رہے گا۔ اور اس اندھیرے میں ہم جیسے لاکھوں، کروڑوں مظلوم انسان، اسی طرح بے عزت ہوتے، رینگتے، سسکتے، مرجائیں گے، اور میں پوچھتا ہوں کون انسان ایسا ہے جو اس اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ذلیل کام نہیں کرتا۔ میڈم! اندھیرا پھیلتے ہی سارے انسان بے شرم ہو جاتے ہیں۔ ذلیل سے ذلیل کام کرتے ہیں، کیونکہ اندھیرے میں دنیا اندھی ہو جاتی ہے، انسان صرف دنیا کی آنکھوں سے ڈرتا ہے، اس لئے وہ شرافت اور شرم کے رنگ برنگے لبادے اوڑھ کر اپنی مظلومیت، اپنی مجبوری، اپنی بے بسی، اپنے بھوکے پیٹ اور ننگے جسم کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

نورافشاں:۔ یہ سب باتیں میں خود بھی جانتی ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اس رکشا کے پہیوں میں تمہاری صحت کچل کر نہ رہ جائے۔

اعظم:۔ اچھا اب تم جاؤ۔ یہ باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔

نورافشاں:۔ میں اپنی بات منوائے بغیر نہ جاؤں گی۔

اعظم:۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے نور کہ اس معاشرے میں کوٹ کماتا اور ساڑھی بیٹھ کر کھاتی ہے۔

نورافشاں:۔ پاگل آدمی! کیسی فرسودہ باتیں کرتے ہو؟

اعظم:۔ یہ سڑک ہے، رات آدھی کے قریب بیت چکی ہے، آپ نے کرایہ دیدیا ہے۔

میں اعظم نہیں، صرف ایک رکشا والا ہوں۔ اب آپ گھر جا سکتی ہیں میڈم۔

نور افشاں :۔ تم بیوقوف اور ضدی ہو، جاہل، جھگڑالو

اعظم :۔ رکشا والے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں میڈم!

یہ کہکر رکشا پر سوار ہو جاتا ہے اور رکشا چلاتا ہے، نور پکارتی ہے۔ "اعظم"!

اعظم :۔ گڈ نائٹ میم صاحب!

(اعظم اسٹیج سے باہر ہو جاتا ہے، نور افشاں بھی مایوس ہو کر چلی جاتی ہے۔)

—— پردہ اٹھ جاتا ہے ——

نواں منظر

(پکیڈلی نائٹ کلب ۔ ایک رقاصہ سیلر (بحریہ) کے لباس میں رقص کر رہی ہے اور گا رہی ہے، اطراف میزوں پر مرد اور عورتیں بیٹھے شرابیں پی رہے ہیں ۔ ایک میز پر مسعود علی خاں بھی بیٹھا ہے، جب گانا اور رقص ختم ہوتا ہے تو مجید داخل ہوتا ہے)

مسعود :- اوہ! آئیے مجید صاحب، بڑی دیر کر دی آپ نے!!

مجید :- مسعود صاحب، آپ ٹھہرے کار والے اور ہم بے کار، بس نے بے بس کر رکھا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو کافی انتظار کرنا پڑا ۔

مسعود :- کوئی بات نہیں، دیر آید درست آید، فرمائیے آپ کیا پئیں گے؟

مجید :- صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی ۔

مسعود :- بس ! جی نہیں - یہ نہیں ہو سکتا - آپ جس جگہ بیٹھے ہیں، وہاں
بے رنگ پانی تو حرام سمجھا جاتا ہے، تکلّف چھوڑیئے - بتایئے کیا پئیں گے؟
وہسکی، برانڈی، رَم، شمپین، پورٹ، شیری، بیئر!

مجید :- آپ اپنے لئے منگوا لیجئے، میں تو پیتا نہیں

مسعود :- مجید صاحب! مثل مشہور ہے کہ جو پیتا نہیں وہ جیتا نہیں، اچھا خیر،
ہاٹ ڈرنک نہ سہی تو کولڈ ڈرنک سہی!

مجید :- تو پھر میرے لئے آئسکریم سوڈا منگوا دیجئے!

مسعود :- ایسی بھرپور جوانی، یہ دسمبر کی خنک اور رنگین رات، اور صرف آئسکریم سوڈا
اجی! آپ کو تو پینی پڑے گی، آپ وہسکی پی رہے ہیں، کیا سمجھے؟

مجید :- جی ہاں سمجھ گیا، میں وہسکی پی رہا ہوں -

مسعود :- گڈ شاٹ (ویٹر کو آواز دیتا ہے) ویٹر (ویٹر آتا ہے)

مسعود :- ویل ٹو پیگس، بلیک اینڈ وہائٹ لارج!

(ویٹر آرڈر نوٹ کر کے چلا جاتا ہے)

ہاں تو مجید صاحب مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پیتے بھی ہیں -

مجید :- لیکن میں اس کا عادی نہیں ہوں - یہ تھرسٹ پینٹ تو کبھی کبھار ہی ہو جاتا ہے

مسعود :- کچھ عرصہ پہلے میں بھی اس کا عادی نہیں تھا، لیکن بقول قمر شیرانی

ے میرے حالات ہی کچھ ایسے ہیں
میرے دن رات ہی کچھ ایسے ہیں
مجھ کو لینا پڑا شراب سے کام !
اتفاقات ہی کچھ ایسے ہیں !

مجید :۔ آپ کو شاعری سے بھی بڑا شغف معلوم ہوتا ہے۔

مسعود :۔ صرف وہی اشعار یاد ہیں جو شراب و کباب سے متعلق ہوں، میں نے وہ اشعار کسی دیوان میں نہیں پڑھے، البتہ شراب خانوں میں یاد کئے ہیں۔

مجید :۔ میرا حافظہ اس معاملہ میں بڑا کمزور ہے، مجھے اشعار بالکل یاد نہیں رہتے، ساری زندگی میں صرف تین شعر یاد رہ گئے ہیں۔

مسعود :۔ تب تو وہ تین اشعار ساری اردو شاعری کا نچوڑ ہوں گے، مجھے مستفید نہیں فرمائیے گا؟

مجید :۔ کیوں نہیں سنئیے۔ کسی نے فرمایا ہے ے

ترے دستِ حنائی کو جو میں نے بھیجی تھی پہونچی
اگر پہنچی ہے وہ پہنچی تو لکھدے وہ کہ آ پہنچی
خبر پہنچی تو یہ پہنچی کہ وہ پہنچی نہیں پہنچی
مرے محبوب کی پہونچی خدا جانے کہاں پہنچی

یہیں رکھی تھی وہ پہونچی کہ اِک کمبخت آ پہنچی
اٹھا پہونچی وہ لے پہنچی، خدا جانے کہاں پہنچی

(دونوں ہنستے ہیں۔ ویٹر ڈرنک لاتا ہے، مسعود پیگ اٹھاتا ہے)

مسعود:۔ ہماری آج کی دوستی کی یاد میں

(مجید بھی پیگ اٹھاتا ہے۔ دونوں ایک ایک گھونٹ پیتے ہیں)

مسعود:۔ اب جسم میں کچھ جان پڑی ہے۔ اچھا مجید صاحب ایک بات بتائیے آپ اور اعظم فرسٹ کلاس گریجویٹ ہیں۔

مجید:۔ معاف کیجئے۔ اعظم فرسٹ کلاس گریجویٹ، میں نے رائل کلاس میں بی اے پاس کیا ہے۔

مسعود:۔ (دوسرا گھونٹ چڑھاتے ہوئے) رائل کلاس کا کیا مطلب؟

مجید: (دوسرے گھونٹ میں گلاس خالی کرتے ہوئے) اجی وہی تھرڈ ڈویژن۔

(مسعود، مجید کا گلاس خالی دیکھ کر خود بھی اپنا گلاس خالی کرتا ہے اور ویٹر کو بلا کر کہتا ہے)

مسعود: دیکھو ویٹر، تم ہمارے آرڈر کا انتظار نہ کیا کرو، جیسے ہی ہمارے گلاس خالی ہوں، فوراً انہیں بھر جانا چاہیئے۔

ویٹر:۔ آل رائٹ سر!

مسعود :- ہاں تو مجید صاحب! میں چونکہ ایک نوجوان سرمایہ دار ہوں، اس لئے مجھے بڑا دُکھ ہوتا ہے کہ قوم کے اتنے ذہین نوجوان بے کاری کے چکر میں پھنسکر کس طرح تباہ ہو جاتے ہیں۔

مجید :- اجی صاحب! یہ سب انگریز کی چھوڑی ہوئی لعنت ہے۔ اس نے ہندوستان پر اپنا تسلط جمانے کیلئے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ساری نوجوان نسل کو کلرک بنا دو، وہ ذہنوں کے انبار میں اس طرح پھنسکر رہ جائے گی کہ کبھی نہ ابھر سکے گی۔

(بیرا دو پیگ لاکر میز پر رکھدیتا ہے)

مسعود :- اٹھائیے گلاس، اور غرق کیجئے پالٹیکس کو اس میں!

(دونوں ایکساتھ گلاس اٹھاتے ہیں اور مجید آدھا گلاس چڑھا جاتا ہے)

مسعود :- (مجید کو اس طرح تیز پیتے دیکھکر) ماشاءاللہ، ماشاء اللہ۔ پُرانے بادہ کش معلوم ہوتے ہیں آپ!

(مجید کو ہلکا ہلکا سا نشہ ہو رہا ہے اس لئے وہ اچانک قہقہہ لگا کر کہتا ہے)

مجید :- بہت پُرانا، حضرت آدم سے بھی پُرانا، میں وہ تاریخی انسان ہوں، جس نے دُنیا میں سب سے پہلے شراب پی۔

مسعود :- (گھبرا کر) آپ بہک تو نہیں رہے مجید صاحب!

مجید :- (جھوم کر) اوہ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں بہکتا نہیں صرف چہکتا ہوں۔ پی کر آدمی

کو صرف چہکنا اور مہکنا چاہیئے، بہکنا ہرگز نہیں۔ آپ اگر میرا امتحان لینا چاہتے ہیں تو آپ وہ موضوع چھیڑ دیجئے، جس کے لئے آپ نے مجھے بلایا ہے۔

دیکھئے پھر، میں بہکا ہوا ہوں یا صوفی ہوں۔

(یہ کہکر مجید دوسرا گلاس بھی پی جاتا ہے)

اور ساتھ ہی ویٹر آتا ہے۔ مسعود اسے اشارہ کرتا ہے کہ ایک اور لائے۔

مسعود :۔ مجید صاحب، یہ اعظم اور نورافشاں کا کیا معاملہ ہے؟

مجید :۔ کیوں آپ کو کیا تکلیف ہے؟

مسعود :۔ تکلیف! جی ہاں بہت تکلیف ہے۔ دیکھئے نا مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے اعظم کی ایک ماں ہے، چھوٹی بہن ہے، جس مکان میں وہ رہتا ہے وہ کرایہ کا ہے۔ ایک چھوٹے سے ٹیوشن کے علاوہ کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ اس پر طبیعت عاشق مزاج پائی ہے۔

(ویٹر مجید کیلئے تیسرا پیگ لاتا ہے)

مجید :۔ (تیسرے پیگ کا ایک گھونٹ پیتے ہوئے) میں کچھ کچھ آپکا مطلب سمجھ رہا ہوں مسعود صاحب!

مسعود :۔ (ذرا سٹپٹا کر) جی!

مجید :۔ مسٹر مسعود کھل کر بات کیجئے نا۔ صاف صاف یہ کہہ دیجئے کہ نورافشاں کی

زُلفوں کا اسیر ہوں ۔ آجکل اظہار عشق کیلئے لمبی تمہید تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ اس ملک کے انسان کی زندگی بڑی مختصر ہے مسعود صاحب! کیوں میں نے ٹھیک کہا نا ۔!

مسعود :۔ جی ہاں، جی ہاں، بات ہی کچھ ایسی ہے، لیکن میرے پاس اعظم کی طرح صرف خالی خولی محبت بھرا دل نہیں ہے، بلکہ میری جیب بھی بھری ہوتی ہے اور جہاں تک عورت کا تعلق ہے خواہ وہ نور افشاں ہی کیوں نہ ہو، وہ صرف سوکھی محبت ہی کی خواہاں نہیں بلکہ وہ ایک عالیشان کوٹھی، ایک آہنی تجوری، اور ایک ریکارڈ کار کی چابیوں کی زنجیر کو بھی اپنی انگلی پر گھمانا بہت پسند کرتی ہے ۔

مجید :۔ (پیگ چڑھاتے ہوئے) لیکن میں آپ کی اس سلسلہ میں کیا خاطر تواضع کر سکتا ہوں! ۔

مسعود :۔ آپ، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں مجید صاحب! وقت اعظم سے، اس کی بوڑھی ماں اور چھوٹی بہن کیلئے پیار کی قربانی مانگ رہا ہے اسے اس وقت خود غرض نہیں بننا چاہیئے، اور پھر آپ ہی کہیئے ماں اور بہن کا پیار پائیدار ہے یا محبوبہ کا پیار! محبوبہ کا پیار تو صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ رگوں میں لہو دَوڑ رہا ہے؛ لیکن ماں کی ممتا اور بہن کے پیار کے پھول سدا مہکتے ہیں ۔

مجید :۔ (پیگ ختم کرتے ہوئے نشے میں) اگر اعظم آپ کے اور نورافشاں کے راستے سے ہٹ جائے تو آپ کیا معاوضہ ادا کریں گے ؟

مسعود :۔ آئی لائیک دِس بزنس ڈیل۔ میرا آفر ہے، آپ کو اور اعظم کے لئے اپنی فرم میں تین تین سو روپے ماہوار کی ملازمت۔ جس مکان میں آپ رہتے ہیں وہ اعظم کی چھوٹی بہن کے نام خرید لیا جائیگا۔ آپ لوگوں کے چھوٹے موٹے قرض میں ادا کر دوں گا اور آج آپ نے جو تکلیف اٹھائی ہے اس کے لئے ....

(یہ کہکر وہ جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل مجید کی طرف بڑھاتا ہے)

مجید :۔ (آنکھیں پھیلا کر) اتنے بہت سے روپے۔ کتنی طویل مدت کے بعد میں اتنا روپیہ اکٹھا دیکھ رہا ہوں۔

(ہاتھ بڑھا کر روپے لیتا ہے اور اندر کی جیب میں رکھ لیتا ہے)

بہت بہت شکریہ مجید صاحب! مجھے آج روپوں کی شدید ضرورت تھی آپ مطمئن رہیں۔ اب اعظم آپ کے اور نورافشاں کے درمیان کبھی نہیں آئے گا۔

مسعود :۔ (خوش ہو کر) اِز اِٹ اے جنٹلمن پرامیز ؟ (ہاتھ بڑھاتا ہے)

مجید :۔ (ہاں ملاتے ہوئے) آف کورس اِٹ از۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے میں چلتا ہوں۔

مسعود :۔ اور بیٹھئے نا۔!

مجید :- (اٹھکر کھڑے ہوتے ہوئے) جی نہیں! بس، میں آپ سے کل شام یہیں ملوں گا۔

مسعود :- (اٹھکر کھڑا ہوتا ہوا) اچھا، آپ کا بہت بہت شکریہ -

مجید :- بائی - بائی

(مجید چلا جاتا ہے، پردہ گر جاتا ہے)

دسواں منظر

سڑک ——— رات کا وقت ——— اعظم رکشا لئے کھڑا ہے ———

اِدھر سے مجید نشہ میں دُھت جھومتا جھامتا آتا ہے ——— وہ گنگنا رہا ہے

دِل توڑنے والے دیکھ کے چل

ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

اعظم اسے پریشانی سے دیکھتا ہے اور آواز دیتا ہے ———

اعظم :- مجید! ———

مجید :- کون ہے ——— مابدولت کو کس نے پکارا ، فریادی تم کون ہو ، کیا ہماری ملکہ عالیہ نے تمہاری دھوبن بیوی پر تیر چلایا ہے -! ———

اعظم :- (اس کے قریب جاکر غصے سے) تم کہاں سے آرہے ہو مجید ؟

مجید :- اُس جگہ سے جہاں مصیبت زدہ انسان اپنے سارے غم بوتلوں میں بھر بھر کر
پیتے ہیں اور باتھ روم میں ان دکھوں اور غموں کو بہا دیتا ہے۔

اعظم :- مجھے تمہاری یہ حالت دیکھکر نہایت دکھ ہوا۔ مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔

مجید :- تو پھر تم بھی پیو!
پیو اور جیو، جیو اور پیو، لگے دم، مٹے غم، چلو میں تمہیں پلاتا ہوں پیارے
دیکھو تو میرے پاس کتنے پیسے ہیں۔
(یہ کہکر وہ اعظم کو نوٹوں کا بنڈل دکھاتا ہے)

اعظم :- (حیرت سے اور تیز لہجے میں) یہ روپیہ تمہارے پاس کہاں سے آیا۔؟

مجید :- خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔

اعظم :- مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے یہ روپیہ جائز طریقے پر حاصل نہیں کیا!
ضرور تم نے کوئی ایسی حرکت کی ہے جس سے ہم پر مصیبت آسکتی ہے!!

مجید :- مسمات مصیبت بی بی اب ہمیشہ کیلئے ہم سے رخصت ہو جائے گی اعظم!
مصیبت بی بی عرف نور افشاں!!

اعظم :- کیا بک رہے ہو مجید!

مجید :- (نشے میں) اعظم تم نے مکان کا کرایہ تین مہینے سے ادا نہیں کیا، میری ماں

دس نمبری عینک لگانا چاہتی ہے، تمہاری ماں بیمار ہے، بانو کا نام اسکول سے کٹ گیا، نوکری سالے بہنوی لوگوں کو مل رہی ہے! میں نے سوچا، نورافشاں کو بیچ دو!۔۔۔۔۔

اعظم :۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں سخت نشہ ہو گیا ہے، تم میری محبوبہ، اور ہونیوالی بھابی کے بارے میں ایسی بیہودہ باتیں کر رہے ہو!۔۔۔۔۔

مجید :۔ (قہقہہ لگا کر) محبوبہ!۔۔۔ بھابی!۔۔۔ دنیا کے بازار میں یہ ذلیل انسان خدا کو تک بیچ دیتا ہے میرے بھائی، نورافشاں تو دوسرے کی بیٹی ہے!۔۔۔

(اعظم مجید کے گال پر ایک زوردار طمانچہ لگاتا ہے اور مجید لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے اور رونے کے لہجے میں کہتا ہے)

مجید! تم مجھے مار رہے ہو، کمینے خود غرض انسان، وقت تم سے قربانی مانگ رہا ہے! اپنی ماں، اپنی چھوٹی بہن اور ایک خوشگوار زندگی کے لئے تمہیں اپنی محبت کی قربانی دینی پڑے گی۔ مسعود علیخاں نورافشاں کو خریدنے کیلئے تیار ہے، تم اس کے راستے سے ہٹ جاؤ، وہ یہ مکان تمہیں خرید دے گا، تمہیں اور مجھے نوکریاں دیگا!۔۔۔۔۔

اعظم :۔ (بات کاٹ کر) میں سمجھا، یہ بات ہے (افسوس کے لہجے میں) اچھا، اس وقت تو تم نہ صرف شراب کے بلکہ پیسے کے نشے میں بھی بدمست ہو،

(تمسیز لہجے میں) لیکن کل صبح تمہارا نشہ ٹوٹ جائیگا تو تمہیں فوراً میرا گھر چھوڑ دینا پڑے گا۔

مجید :۔ (جس کا۔ چانٹا کھانے اور اس الٹی میٹم سے نشہ کافی حد تک کافور ہو چکا ہے، سنبھل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے)

اب میرا نشہ ٹوٹ چکا ہے۔ مجھے صبح تک انتظار کی ضرورت نہیں، میں ابھی تمہارا گھر چھوڑ دوں گا، اسی وقت، اور جاتے جاتے ایکبار پھر میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ سب میں نے تنہا اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے، تمہارے اور میرے زیر پرورش مجبور افراد کیلئے کیا تھا! اگر یہ غلطی ہے یا یہ میری لغزش ہے تو ایک مجبور اور مفلس انسان سے ایسی لغزش کی امید نہ کرنا بھی ایک غلطی ہے۔ (جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکالکر) میں تو اب مسعود سے شاید ہی مل سکوں، تمہاری مہربانی ہو گی اگر تم کل یہ روپے اسے لوٹا دو۔ خدا حافظ!ـــــــ

(یہ کہکر مجید جانے لگتا ہے ـــــ اعظم کے ہاتھوں میں نوٹوں کا بنڈل ہے، وہ کچھ سوچتا ہے اور پھر مجید کو آواز دیتے ہوئے دوڑ کر اس کے قریب جاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم :۔ میرے بیس برس پرانے ساتھی! تم بھی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو، میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ غصہ میں مجھ سے ایسی ذلیل بات منہ سے نکل گئی کہ تم میرا گھر

چھوڑ دو۔ (گلوگیر لہجے میں)

میں جانتا ہوں مجید! اچھی طرح جانتا ہوں، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، قصور سارا ہماری اس زندگی کا ہے جو غریبی کے اندھیرے میں سیدھے راستے کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ جب مفلسی گھر کے بڑے دروازے سے داخل ہوتی ہے تو عقل، خودداری، جرأت، اخلاق سب کے سب کھڑکیوں سے کود کر فرار ہو جاتے ہیں۔ (اعظم مجید کو گلے سے لگا لیتا ہے)

اعظم :۔ مجید! میری بات کو بھول جاؤ، میں بھی تمہاری باتوں کو بھول جاؤں گا یہ کمبخت روپیہ ہماری بیس سالہ دوستی کو ہرگز نہیں خرید سکتا اور نہ ہی اس روپے میں اتنی قوت ہے کہ وہ نور افشاں کو خرید سکے۔ تم گھبراؤ نہیں، ہم نوجوان ہیں پڑھے لکھے ہیں، ہم کو بڑے سے بڑے حالات سے لڑنا چاہیئے ہم نوجوان ہیں، پڑھے لکھے ہیں۔ جدوجہد ہی زندگی ہے ورنہ ایسی بھرپور جوانی اور ایسی تعلیم پر لعنت ہے۔

مجید :۔ (معذرت کے لہجے میں) مجھے افسوس ہے اعظم، میں کل صبح ہی مسعود کے یہ روپے اسے واپس کر دوں گا۔

اعظم :۔ ہاں اور کل صبح میں حاکم علی خان کا رقعہ لیکر سیٹھ دولت خان کے پاس جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے کوئی نوکری مل جائے۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو کہیں نہ کہیں

ضرور ملے گی ۔ آخر کب تک ہم سے چھپتی پھرے گی ۔ ا ۔ آ ؤ ۔
آج ہیں، میں تمہیں رکشا میں بٹھا کر گھر لے جاؤں !
(اعظم مسکراتا ہے اور مجید بھی ، دونوں اسٹیج سے باہر نکل جاتے ہیں)
اور ——— پردہ اٹھ جاتا ہے ———

گیارھواں منظر

(صبح دس گیارہ بجے کا وقت ـــــــ سیٹھ دولت خاں کا ڈرائنگ روم جو جدید طرز کے فرنیچر سے سجا ہوا ہے ـــــــ سیٹھ دولت خاں کے علاوہ ایک دُبلے پتلے دھان پان داڑھی والے مولانا ململ کا کرتہ، تنگ مُہریوں کا پاجامہ ـــــــ پیروں میں سلیم شاہی جوتی پہنے اور سر پر دوپلی اوڑھے بیٹھے ہیں ـــــــ جب پردہ اٹھتا ہے تو ان دونوں میں گفتگو جاری ہے ـــــــ داڑھی والے مولانا کا نام میر قدرت اللہ ہے)

سیٹھ دولت خاں: ہاں تو میر صاحب، میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری یہ خواہش ہے کہ اپنی لڑکیوں کا بیاہ تعلیمیافتہ لڑکوں سے کروں۔ یہ زمانہ تعلیم کا ہے، اور

میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے ــــ اب چونکہ اپنی حکومت میں زیادہ آؤٹ جاوک ہے اس لئے تعلیمیافتہ داماودں کی شدید ضرورت ہے۔

میر صاحب: مگر سیٹھ دولت خاں صاحب! ــــ مجھے آپ سے اختلاف رائے ہے جناب! ــــ پوچھیئے کیوں؟ ــــ

(سیٹھ دولت خاں خاموش رہتے ہیں تو میر صاحب ذرا اور بلند آواز سے کہتے ہیں)

میر صاحب: سیٹھ صاحب پوچھیئے کیوں؟ ــــ

سیٹھ دولت خاں: (قدرے جز بز ہو کر) کیوں پوچھوں آخر؟

میر صاحب: اس لئے کہ تعلیمیافتہ لڑکے کبھی اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے۔ میں نے آپ سے زیادہ زمانہ دیکھا ہے۔ آپ کیوں اپنے ہاتھوں اپنی لڑکیوں کو کنوؤں میں دھکیلنے پر تل گئے ہیں؟

سیٹھ صاحب: میر صاحب! آپ ٹھہرے نا پرانے خیال کے آدمی! ــــ بھائی میرے یہ نیا زمانہ ہے، نیا زمانہ ــــ میری لڑکیاں پڑھی لکھی تو نہیں البتہ نئے زمانے کے ساتھ چلتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری کوئی لڑکی بھی آپ کے صاحبزادے عزیزم صبغتہ اللہ طول عمرہ سے بیاہ کرنے پر رضامند نہیں ہوگی۔

میر صاحب: (اچانک گرم ہوکر) کیوں، صرف اس لئے کہ میرا لڑکا انگریزی پڑھا ہوا نہیں ہے، صرف اس لئے کہ وہ داڑھی رکھتا ہے، شرعی پاجامے پہنتا ہے، مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کرتا ہے اور آنکھوں میں سُرمہ لگاتا ہے (لہجہ بدلکر) لیکن یہ بھی تو دیکھئے سیٹھ صاحب، اس کی آمدنی کیا ہے؟

(سیٹھ صاحب خاموش رہتے ہیں)

میر صاحب: (اور زیادہ گرم ہوکر) پوچھئے نا سیٹھ صاحب کہ اسکی آمدنی کیا ہے؟

سیٹھ صاحب: (جزبز ہوکر) عجیب مصیبت ہے! اچھا چلئے بتائیے کیا ہے؟

میر صاحب: (فخریہ لہجے میں) لنڈا بازار میں ریڈی میڈ کپڑوں اور پرانے امریکن کوٹوں کی دکان ہے اس کی — ہر روز پچاس ساٹھ رُپے کما ہی لیتا ہے کیا سمجھے؟ — پچاس ساٹھ رُپے روز! — دل لگی نہیں کچھ!! —

سیٹھ صاحب: (سمجھانے کے انداز میں) سیٹھ صاحب، آپ میرے بڑے پُرانے دوست ہیں، آپ کا بچہ میرا بچہ ہے، وہ ......

میر صاحب: (اچانک غصہ سے کھڑے ہوکر اور بات کاٹتے ہوئے) ہائیں ہائیں — سیٹھ صاحب — زبان سنبھالئے زبان! — یہ آپنے کیا کہہ دیا، میرا بچہ آپ کا بچہ ہے — میرا بچّہ آپکا بچّہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بھی خوب رہی! آپ تو میرے بچّے کی ولدیت کے خانے میں بھی گھس آئے ہیں

سیٹھ صاحب: (بوکھلاکر) ارے میر صاحب! کیا ہوگیا آپ کو؟ ــــ میں نے صرف ایک محاورہ استعمال کیا تھا ــــ خدانخواستہ آپ کا بچّہ میرا بچّہ کسطرح ہوسکتا ہے! میں تو ......

میر صاحب: (اور زیادہ گرم ہوکر دوبارہ بات کاٹتے ہوئے) ہیں! پھر وہی بات، تو کیا آپ میرے بچّے کو کسی غیر کا بچّہ سمجھ رہے ہیں، توبہ توبہ استغفراللہ ــــ اسقدر توہین! ــــ

سیٹھ صاحب: آپ میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں میر صاحب! ــــ

میر صاحب: اجی میں خوب سمجھ رہا ہوں ــــ سب کچھ سمجھ رہا ہوں ــــ اُلّو کا پٹھّا نہیں ہوں! ــــ

سیٹھ صاحب: (غصے سے) جی! کیا فرمایا؟ ــــ

میر صاحب: اجی میں نے عرض کیا، میں اُلّو کا پٹّھا نہیں ہوں! ــــ

سیٹھ صاحب: آپ خوانخواہ گرم ہورہے ہیں میر صاحب! اگر یہ بات ہے تو پھر تیار ہوجایئے، میں بھی گرم ہوتا ہوں، میں آپ کا کوئی دبیل تو نہیں ہوں میں خاموش بیٹھا ہوں اور آپ سر چڑھتے جارہے ہیں۔

میر صاحب: (سیٹھ دولت خان کے اسطرح گرم ہونے سے اچانک پریشان سے ہوجاتے ہیں اور جیب سے رومال نکالکر چہرے اور گلے کا پسینہ پونچھتے

ہوتے اچانک مسکراتے ہیں اور مصالحت کے انداز میں کہتے ہیں)

سیٹھ صاحب دراصل نہ میں گرم ہو رہا ہوں اور نہ آپ، آج اصل میں کچھ گرمی ہی زیادہ ہے۔

(یہ کہکر میر صاحب پھر صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پان کی ڈبیا لیکر خوشامد کے انداز میں سیٹھ صاحب کی طرف بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں)

میر صاحب: لیجئے شوق فرمایئے ——

سیٹھ صاحب: شکریہ! میں پان نہیں کھاتا۔

میر صاحب: پان نہیں کھاتے!—— حیرت ہے!! شاعر تو کہتا ہے

پان کھانے سے اے مرے مولا

دانت بنتے ہیں ناصر الدولہ

اچھا خیر چلیئے، آپ کی طرف سے بھی ایک پان اور کھالوں۔

(یہ کہکر ایک کے بجائے دو پان کھاتے ہیں اور انگلیوں پر پان کا جو کتھا لگا ہوا ہے اسے قیمتی صوفہ سٹ کے غلاف سے پونچھتے ہیں اور سیٹھ صاحب ان کی اس حرکت پر غصہ سے کھنکارتے ہیں اور میر صاحب سہم جاتے ہیں، پھر مسکراتے ہیں اور بات کا آغاز کرتے ہیں)

میر صاحب:۔ ہاں تو، میں عرض کر رہا تھا کہ میرے لڑکے صبغتہ اللہ کی لنڈا بازار میں

کپڑوں کی ایک بہت بڑی دوکان ہے۔

سیٹھ صاحب: میر صاحب! میں نے ایک بار آپ سے کہدیا ہے، اب کس طرح بار بار کہوں کہ میری بیٹیاں لنڈے بازار کے دوکانداروں کی بیویاں ہرگز نہیں بن سکتیں۔

میر صاحب: اجی قبلہ! میں یہاں لنڈے بازار کے دوکانداروں کے بیٹوں کے پیغام لیکر نہیں بلکہ صرف اپنے صبغۃ اللہ کا پیغام لیکر آیا ہوں۔

سیٹھ صاحب: آپکا بیٹا بھی لنڈے بازار کا دکاندار ہے، سمجھ گئے آپ، اب اس موضوع پر آپ مجھ سے بات نہ کریں۔

(میر صاحب یہ سنکر پریشان سے ہو جاتے ہیں، کچھ بوکھلائے ہوئے سے حرکات کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

میر صاحب: کیا آپ اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کر سکتے، سیٹھ صاحب!

سیٹھ: ہرگز نہیں!

میر صاحب: اپنے سولہ سالہ پرانے اور مخلص دوست کی درخواست پر بھی نہیں!

سیٹھ: ہر باپ اپنی بیٹی کے مستقبل کے معاملے میں بڑا خود غرض ہوتا ہے میر صاحب!

میر صاحب: تو اس کا مطلب یہ ہے مجھے مایوس ہو جانا چاہیئے سیٹھ صاحب!

سیٹھ: جی ہاں، جی ہاں بالکل!

میر صاحب : (استفسار کے لہجے میں) لیکن سیٹھ دولت خان صاحب، بھلا مجھے کیوں مایوس ہونا چاہیئے ؟

سیٹھ : (حیرت سے) پھر کس کو ہونا چاہیئے ؟

میر صاحب : مایوس تو میرے لڑکے صبغتہ اللہ کو ہونا چاہیئے، شادی میری تھوڑی ہونے والی تھی !

سیٹھ : میر صاحب ! آج پتہ نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے، عجیب اُلٹی سیدھی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں آپ ؟

میر صاحب : اُلٹی سیدھی اوٹ پٹانگ باتیں ! اس لئے کہ میں آپ کے پاس ایک غرض لیکر حاضر ہوا ہوں ۔ اگر بغیر کسی غرض کے آتا تو آپ اپنی باتوں پر سبحان اللہ اور جزاک اللہ کے ڈونگرے برساتے، اچھا خیر ! اب مجھے اجازت دیجئے ۔ اب میں جاتا ہوں ۔

سیٹھ : بصد شوق تشریف لے جائیے ۔

میر صاحب : (اٹھ کھڑے ہوتے ہیں) یاد رکھیئے سیٹھ صاحب ۔ آپ کی اور میری سولہ دوستی ختم ہو رہی ہے ۔

سیٹھ : میں اپنی اولاد کی بھلائی کی خاطر قیمتی سے قیمتی دوست کی دوستی کو قربان کرنے کیلئے تیار ہوں ۔

میر صاحب : میں ایک بار بلکہ آخری بار پھر بہ حیثیت ایک مخلص دوست کے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

سیٹھ : کیوں آخر ؟ کیا مجھے باؤلے کُتّے نے کاٹا ہے!

میر صاحب : باؤلا کتا ؟ اچھا! سیٹھ صاحب آج آپ سے ملکر مجھے بہت بہت کوفت ہوئی۔ اچھا تو میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں!

سیٹھ : بسم اللہ! بسم اللہ!

(میر صاحب تھوڑی دُور تک جا کر رُکتے ہیں اور بسم اللہ کے الفاظ سنکر ٹھٹک کر رُک جاتے ہیں اور بڑی مخصوص آواز میں کہتے ہیں۔ آئیں، اور پھر لوٹ کر صوفے کے قریب جاتے ہیں، ہنسکر سیٹھ صاحب کو دیکھتے ہیں اور سر پر سے دوپلی اتار کر صوفے پر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں سیٹھ دولت خاں بڑی حیرانی کے ساتھ انہیں دیکھ رہے ہیں لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ میر صاحب صوفہ پر بیٹھنے کے بعد یوں مُہرِ سکوت توڑتے ہیں)

میر صاحب : سیٹھ صاحب! آپ نے بسم اللہ کہا، یعنے اللہ کا نام لیا تو اب ساری بات از سرِ نو اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے، یہ ساری گڑبڑ اسی لئے ہوئی کہ میں بات چیت کا آغاز اللہ کے نام سے نہیں کر سکا تھا۔ خیر اب بھی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میرے لڑکے صبغۃ اللہ کی لنڈے بازار میں

۷۸۶/۹۲

تیار شدہ کپڑوں اور پرانے امریکن کوٹوں کی ایک دکان ہے۔

سیٹھ : (انتہائی غصہ کے عالم میں) میر صاحب! میں نے آپ کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ جہاں تک میری دختر کی لنڈے بازار کے کسی کباڑیئے سے شادی کا تعلق ہے تو آپ یہ یقین کر لیجئے کہ دنیا میں لاہور شہر کا کوئی وجود نہیں ہے اگر لاہور شہر ہے تو پھر اس میں لنڈا بازار نہیں ہے، اگر لنڈا بازار بھی ہے تو میری کوئی دختر ہرگز نہیں ہے۔

میر صاحب : یہ کہہ کر تو آپ دنیا کو شک و شبہ میں ڈال دیں گے، ایسی نازیبا بات کہنے سے پہلے بھابی صاحبہ کا تو خیال کیجئے۔

سیٹھ : (غصہ سے بے قابو ہو کر) میر صاحب آپ اس طرح یہاں سے نہیں جائیں گے مجھے اپنے نوکر کی خدمات حاصل کرنا ہی ہوگا۔

میر صاحب : (غصہ سے اٹھ کر) یہ نوبت! استغفر اللہ، یہ توہین جزاک اللہ، اف لاحول ولا، اجی لیجئے میں خود چلا جاتا ہوں۔

(یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سیٹھ : میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ خود چلے جائیں۔

میر صاحب : (پھر بیٹھ جاتے ہیں) لیکن سیٹھ صاحب، آپ عمر بھر پچھتائیں گے، لنڈے بازار میں دکان کوئی معمولی بات نہیں ہوتی؟

سیٹھ : (بیزار ہو کر) اُف کیا مصیبت ہے یہ !

(اتنے میں ایک نوکر داخل ہوتا ہے، اور ایک وزیٹنگ کارڈ سیٹھ دولت خاں کو دیتا ہے، میر صاحب نوکر کو دیکھ کر پہلے پہل تو بڑے سٹپٹا سے جاتے ہیں، لیکن جب وزیٹنگ کارڈ سیٹھ دولت خاں کو دیتا ہے تو وہ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔)

سیٹھ صاحب : (بہ آوازِ بلند وزیٹنگ کارڈ کا نام پڑھتے ہیں) "محمد اعظم بی۔ اے علیگ فرستادہ حاکم علی خاں صاحب، پروپرائٹر گوٹ اینڈ شیپ، ہائیڈ اینڈ اسکن فرم"۔ اچھا سمجھ گیا۔

(پھر وہ میر صاحب سے مخاطب ہوتے ہیں)

" دیکھئے میر صاحب، ایک اجنبی آرہا ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ تشریف لے جائیں یا پھر میری درخواست ہے کہ جب تک وہ یہاں بیٹھا رہے آپ بالکل خاموش رہیں۔

میر صاحب : (چڑ کر) اجی واہ ! کیا میں آدابِ مجلس نہیں جانتا، کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے ؟

سیٹھ صاحب : اچھا بابا۔ مجھے معاف کرو (نوکر سے مخاطب ہو کر) ملاقاتی کو اندر بھیجدو۔

(نوکر جاتا ہے۔ اور دو سکنڈ کے بعد اعظم اندر داخل ہوتا ہے۔ سیٹھ صاحب

اس کی شخصیت سے فوراً متاثر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میر صاحب بھی مختلف زاویے بنا بنا کر اعظم کو دیکھتے ہیں۔ سیٹھ صاحب کھنکارتے ہیں تو میر صاحب سہم کر بیٹھے ہو جاتے ہیں۔ سیٹھ صاحب فوراً مسکراتے ہوئے اعظم سے مخاطب ہوتے ہیں۔)

آئیے، آئیے تشریف لائیے۔ یہاں تشریف رکھیئے۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے)

اعظم: مجھے جناب حاکم علی خاں صاحب پروپرائٹر گوٹ اینڈ شیپ ہائیڈ اینڈ اسکن فرم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور ان کا یہ رقعہ آپ کے نام ہے۔

(رقعہ سیٹھ کی طرف بڑھاتا ہے)

سیٹھ دولت خاں عینک لگا کر رقعہ پڑھتے ہیں، رقعہ پڑھتے ہوئے ان کی باچھیں سی کھل جاتی ہیں اور رقعہ ختم کر کے وہ بڑی میٹھی میٹھی نظروں سے اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

سیٹھ صاحب: تو آپ نے علیگڑھ یونیورسٹی سے بی۔اے اول درجے میں کامیاب کیا ہے۔؟

اعظم: جی ہاں! اگر آپ کہیں تو میں اپنی بی۔اے کی ڈگری آپ کو دکھا دوں میں ڈگری ساتھ لایا ہوں۔

سیٹھ صاحب: نہیں نہیں، اسکی کیا ضرورت ہے، لیکن اگر آپ دکھا ہی دیں تو بہتر ہے

میر صاحب: (چونک کر) اماں نوجوان کیا کہا۔ یہاں ڈگری لائے ہو تم ۔!

(اعظم حیرت سے انہیں دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے)

سیٹھ صاحب: میر صاحب یہ عدالت کی ڈگری نہیں، بی۔ اے کی ڈگری ہے۔

(اعظم سے مخاطب ہو کر)

یہ میرے بڑے پرانے دوست ہیں۔ میر قدرت اللہ صاحب۔ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔

اعظم: (میر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھا کر) آپ کے ایک ہی جملے سے میں پوری طرح آپ کی شخصیت سے متعارف ہو چکا ہوں۔ بہرحال مجھے آپ سے مل کر واقعی لطف آیا۔

میر صاحب: جیتے رہو برخوردار!

(اعظم اپنی ڈگری اور دوسرے اسنادات سیٹھ صاحب کی طرف بڑھاتا ہے۔ سیٹھ صاحب ڈگری اور اسنادات کو غور سے دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

سیٹھ صاحب: خیر سے آپ کنوارے تو ہیں نا؟

اعظم: صاحب! اس زمانے میں پہلے بی۔ اے پاس ہونا پڑتا ہے اس کے بعد کہیں

بی بی پاس کی ڈگری ملتی ہے ۔

سیٹھ صاحب : (مسکراتے ہوئے) ماشاءاللہ ، ماشاءاللہ ، بڑے خوش مزاج اور فقرہ باز نوجوان ہیں آپ ، یقین ہے کہ خوبصورت وتندرست ہونے کے علاوہ خوب سیرت بھی ہوں گے ۔

اعظم : لیکن قبلہ ! یہ ساری خصوصیات تو ساتھ ہیں لیکن صرف ایک کسر رہ گئی ہے کہ اگر اس بی۔اے کی ڈگری اس صحت مند جسم اور مضبوط کردار کے بجائے لنڈے بازار ہی میں اگر کوئی پرانے کپڑوں کی دکان .....

(وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ، میر صاحب ، میز پر زور سے ہاتھ مار کر اچھل پڑتے ہیں اور چیختے ہیں)

میر صاحب : لنڈے بازار میں کپڑے کی دکان ۔ واہ واہ واہ وا ، یہ کہی لاکھوں بات کی ایک بات ، سن لیجئے سیٹھ صاحب آپ کا تعلیمیافتہ داماد بھی لنڈے بازار کا دکاندار بننا چاہتا ہے ۔

اعظم : (حیرت سے) داماد !

سیٹھ : (غصہ سے کھڑے ہوکر) ادھیڑ کے بچے ۔ نکل جا یہاں سے اسی وقت !

اعظم : ہیں ہیں ، یہ سب کیا ہو رہا ہے ، بزرگو ، آپ آپس میں لڑ رہے ہیں

سیٹھ : نوجوان ، آپ معاف کریں ۔ یہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے ۔ آپ بیٹھ جائیں ۔

میں اسے نکلوا کر آپ سے باتیں کروں گا۔

میر صاحب: اماں تم مجھے کیا نکلواؤ گے، میں اس نوجوان کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا تاکہ تم اپنی لڑکی کا بیاہ اس سے کر کے اس کو جیتے جی اندھے کنویں میں نہ دھکیل سکو۔ (اعظم سے مخاطب ہو کر)

نوجوان! میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، تم اتنے خوبصورت اور تعلیمیافتہ ہو کر کیا کسی کالی بھجنگ اور بدصورت لڑکی سے صرف اس لئے شادی کرنا پسند کرو گے کہ اس کا باپ ایک مالدار ہے۔

سیٹھ صاحب: زبان سنبھال، او میر کے بچے!

میر صاحب: جھپکارہ سیٹھ کے بچے۔

(اعظم سے مخاطب ہو کر)

نوجوان! اگر تم شادی کیلئے ایسے ہی بیقرار ہو تو آؤ میرے ہمراہ آؤ، میری بھی ایک لڑکی ہے۔ صبغتہ اللہ کی ہمشیرہ، خوبصورت، سلیقہ شعار، ہر قسم کے پکوان کی ماہر، حافظ قرآن

(یہ کہہ کر وہ اعظم کا ہاتھ زبردستی اپنے بغل میں لے لیتے ہیں اور اسے گھسیٹنے لگتے ہیں۔ سیٹھ غصہ سے اپنے نوکروں کو آوازیں دینے لگتا ہے)

سیٹھ: رنجو، نفضلو، پتن، اتن، ارے کوئی ہے۔

(اتنے میں نوکروں کی ایک فوج اندر داخل ہوتی ہے - میر صاحب گھبرا کر اعظم کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں - صاحب زخمی شیر کی طرح چیختے ہیں)

سیٹھ صاحب: اس خبیث بڈھے کو اٹھا کر باہر پھینکدو -

(نوکر میر صاحب کی طرف بڑھتے ہیں - اعظم موقع پا کر گھبراہٹ میں اپنی بی - اے کی ڈگری تصویر اور اسنادات چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے - سیٹھ دولت خاں اسے آوازیں دیتے اس کے پیچھے لپکتے ہیں اور ادھر میر صاحب نوکروں کے سامنے کبڈی کے کھلاڑی کی طرح بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں -)

اور پردہ گر جاتا ہے

بارھواں منظر

(وہی کمرہ جو گیارھویں منظر میں دکھایا گیا ہے۔ سیٹھ دولت خاں بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہیں)

سیٹھ صاحب: کمبخت میر کے بچے نے سارا معاملہ بگاڑ دیا۔ اب اس نوجوان کو کہاں ڈھونڈوں

(غصہ کے عالم میں ٹہلنے لگتے ہیں اچانک ان کی نظر میز پر رکھے ہوئے کاغذوں کے پلندے پر پڑتی ہے۔ وہ رُکتے ہیں اور حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے اس پلندے کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس نوجوان کی بی۔ اے کی ڈگری تصویر اور اسنادات دیکھکر بہت خوش ہوتے ہیں۔)

سیٹھ صاحب: چلو اچھا ہوا کہ وہ سب کاغذات وغیرہ یہیں چھوڑ گیا۔ اس سلسلے میں بیگم سے بھی مشورہ کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بیگم —— او بیگم سنتی ہو —— اماں بیگم سن رہی ہونا ——

(ایک بہت بھاری بھرکم معمر سفید رنگ خاتون داخل ہوتی ہیں اور کہتی ہیں)

بیگم : کیا گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے ؟ — کیا مصیبت پڑ گئی آخر ؟ ——

سیٹھ صاحب : مصیبت —— ! مصیبت پڑے تمہارے دشمنوں پر بیگم میں تو تمہیں ایک خوش خبری سنانے والا ہوں ، سنو گی تو باغ بغیچہ ہو جاؤ گی !

بیگم : اچھا جی —— تو پھر بتاؤ جلدی سے مجھے باغ بغیچہ ! ——

سیٹھ صاحب : اسطرح نہیں ، پہلے مٹھائی کھلاؤ ——

بیگم : ہے ہے ، وقت نہ سقت ، بڈھا چڑھا تخت ، تم نے مجھے بھی کوئی حلوہ مرچنٹ سمجھ رکھا ہے کہ ہر وقت مٹھائی تیار رکھوں ۔ پہلے خوشخبری سناؤ ۔ اگر واقعی وہ خوشخبری ہوئی تو مٹھائی بھی آجائے گی ۔

سیٹھ صاحب : وعدہ کرتی ہو ——

بیگم : اب یہ بوڑھے چونچلے ختم کرو — اور بتاؤ کیا بات ہے ؟ ——

سیٹھ صاحب : میرے دوست ہیں نا حاکم علی خاں ، آج انہوں نے ایک بہت خوبصورت صحتمند اور خوش مزاج نوجوان میرے پاس بھیجا تھا ۔

(بیگم چونک پڑتی ہے اور بڑی دلچسپی سے باتیں سننے لگتی ہے

اس کی باچھیں کھلی ہوئی ہیں)

سیٹھ صاحب: مگر ــــــــ

(ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں)

(بیگم پریشان ہو کر پوچھتی ہیں)

بیگم: مگر کیا؟ ـــــ یہ مگر کیوں؟ ـــــ

سیٹھ صاحب: (غصہ سے دانت چباتے ہوئے)

مگر وہ کم بخت میر قدرت اللہ کا بچہ ـــــ اس پر ایسا ریجھا ایسا ریجھا کر بس سارا کھیل بگاڑ ڈالا، اس سے گھبرا کر وہ نوجوان بھاگ گیا ـــــ

بیگم: (اچانک منہ بسور کر رونے کی نقل کرتے ہوئے)

ہائے ہائے، پتہ نہیں، میری بچیوں کے سہرے کے پھول کب کھلیں گے آخر یہ وردگار! ـــــ

سیٹھ صاحب: (فاتحانہ انداز میں مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے)

یہ رونا دھونا کیا فضول حرکت ہے بیگم ـــــ گھبراؤ نہیں، ابھی وہ لڑکا ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل سکا ہے۔ میری اور میری تو تو، میں میں، میں اپنی بی۔ اے کی ڈگری، اسنادات اور تصویر وغیرہ سب بھول گیا ہے، انہیں لینے تو ضرور آئے گا وہ! ـــــ

بگیم : (چہرے پر اطمینان کے آثار ــــ تنبیہہ کے انداز میں کہتی ہے)

مگر یاد رکھنا ــــ اب کی بار وہ لڑکا ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

سیٹھ صاحب : اجی ایسا ہو سکتا ہے کبھی ــــ میرا نام دولت خاں ہے دولت خاں

دولت خاں کے معنیٰ سلیس اردو میں طاقت خاں کے ہوتے ہیں، سمجھیں ؟

بگیم : میرے سامنے ڈینگیں نہ مارا کرو، اسطرح ! ــــ

سیٹھ صاحب : اپنے ہونے والے داماد کی تصویر دیکھو گی بگیم ؟ ــــ

بگیم : کیوں نہیں ــــ کیوں نہیں ؟ ــــ

(سیٹھ صاحب اعظم کے کاغذات کے پلندے سے ایک تصویر نکالکر

چھپا لیتے ہیں اور چہل کے انداز میں بگیم سے کہتے ہیں)

سیٹھ صاحب : نہیں اسطرح نہیں، پہلے آنکھیں بند کرو ؟ ــــ

بگیم : نوج یہ کیا چہل سوجھی ہے تمہیں ؟ ــــ

(سیٹھ صاحب نہیں مانتے ــــ خود بگیم کے پیچھے جاکر ان کی آنکھوں

پر ہاتھ رکھدیتے ہیں۔ بگیم جھینپ کر اُن کا ہاتھ ہٹا دیتی ہے اور

تھوڑی دیر تک تصویر کو بغور دیکھکر ایک ٹھنڈی سانس بھرتی ہے

جس سے سیٹھ صاحب چونک کر غور سے بگیم کو دیکھتے ہیں اور غصیلے

لہجے میں پوچھتے ہیں)

سیٹھ صاحب: بیگم ـــــ یہ لمبی ٹھنڈی سانس تم نے کیوں لی؟

بیگم: (وہ بھی قدرے تلخ لہجے میں)

اس سوال کا کیا مطلب؟ ـــــ

سیٹھ صاحب: (ابھی غصیلے لہجے میں)

میں پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ لمبی اور ٹھنڈی سانس کیوں لی؟ ـــــ

بیگم: کیوں کیا سانس لینا بھی گناہ ہے؟ ـــــ

سیٹھ صاحب: سانس لینا گناہ نہیں ـــــ لیکن یہ لمبی اور ٹھنڈی سانس ضرور کوئی معنیٰ رکھتی ہے۔

بیگم: شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔

سیٹھ صاحب: (اسی غصیلے لہجے میں)

باتیں نہ بناؤ بیگم ـــــ میں اس لمبی اور ٹھنڈی سانس کا مطلب جان کر رہوں گا۔

بیگم: لڑنا چاہتے ہو؟ ـــــ

سیٹھ صاحب: لڑائی اس ٹھنڈی اور لمبی سانس کا مطلب جاننے کے بعد شروع ہوگی۔

بیگم: تو پھر سنو ـــــ اس ٹھنڈی لمبی سانس کا مطلب یہ ہے کہ کاش اپنی جوانی میں تم بھی ایسے ہی خوبصورت اور گڑیل نوجوان ہوتے؟

سیٹھ صاحب: (گرج کر)

کیا بک رہی ہو تم ــــــ اب میں آگے کچھ نہیں سن سکتا۔ خدا کی قسم میں تمہیں گولی مار دوں گا۔

بیگم: کاش تم مجھے اسی روز گولی مار دیتے جس دن تم سے میرا بیاہ ہوا تھا۔ بجائے اس کے کہ تمہاری شکل و صورت کی یہ کالی کالی لڑکیاں جوان ہو کر یوں وزنی سلوں کی طرح میرے سینے پر نہ رکھی جاتیں

(چیخ چیخ کر روتے ہوئے)

تم مجھے گولی مار دیتے تو اچھا تھا۔

(سیٹھ دولت خاں بیگم کے اسطرح چیخ چیخ کر رونے سے ایکدم پریشان ہو جاتا ہے اور سر کے بال نوچ کر کہتا تھا)

اُفوہ! بھئی حد ہوگئی!

(اور پھر بیگم کے قریب جا کر نرم لہجے میں کہتا ہے)

سیٹھ: بیگم! یہ کیا بچپن ہے، لڑکیاں گھر ہی میں ہیں۔ وہ کیا سوچیں گی، خدا کے لئے یہ رونا پلانا بند کرو۔

بیگم: (اور زیادہ پھیلکر)

نہیں جی، نہیں، آج تو تم مجھے گولی ہی مار دو (پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی ہے)

سیٹھ : (زچ ہو کر اور مکمل طور پر ہار مانتے ہوئے)

اچھا بابا، اچھا ـــــ میرا قصور معاف کرو ـــــ میں اپنی گولی ـــــ ہونہہ

میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔

(یہ کہکر بیگم کے دوپٹے سے بیگم کی بغیر آنسو والی آنکھیں پونچھتا ہے

اور میز کے پاس سے اگالدان اٹھا کر اس کے منہ کے قریب لاتا ہے

اور کہتا ہے)

سیٹھ : لو اب غصہ تھوک دو۔

بیگم : (من جانے کے انداز میں اُگالدان میں "آخ تھو" تھوکتے ہوئے

کہتی ہے)

بیگم : (نخرے سے)

تم ہی تو مجھے چھیڑتے ہو!

سیٹھ : اجی بس رہنے بھی دو۔ اب کیا خاک چھیڑوں گا، کھولڑ کا پسند آیا؟

بیگم : بہت پسند آیا۔ اگر وہ میری ماہ پارا بیگم کو بھی پسند کرلے تو داتا کے مزار

پر نیاز چڑھاؤں گی، پانچسو فقیروں کو کھانا کھلاؤں گی۔

(اسی اثنا میں نوکر اندر داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے)

نوکر : سیٹھ جی، آپ کا ٹیلیفون!

سیٹھ : اچھا، کہیں اس لڑکے کا نہ ہو!

بگیم : چلو میں بھی چلتی ہوں۔

سیٹھ : آؤ!

(سیٹھ اور بیگم باہر چلے جاتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے اسٹیج خالی رہتا ہے اور اس کے بعد ایک نہایت فربہ اندام بے ہنگم سیاہ رنگ نوجوان لڑکی دبے دبے پاؤں ادھر اُدھر دیکھتے داخل ہوتی ہے میز کے قریب جاکر اعظم کی تصویر اُٹھاتی ہے۔ غور سے اسے دیکھتی ہے اور آنکھیں بند کرکے تصویر کو اپنے سینے سے لگالیتی ہے اور ایک ٹھنڈی لمبی سانس لیتی ہے۔ اسی اثنا میں دوسرے کمرے سے بگیم کی آواز آتی ہے۔)

ماہ پارا ! بیٹی ماہ پارا — یہاں تو آئیو !

وہ لڑکی بلند آواز سے جواب دیتی ہے۔

ماہ پارا : جی آئی امّی ؟

یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے باہر چلی جاتی ہے

——— پردہ گرجاتا ہے

تیرھواں منظر

پبلک گارڈن ـــــ لان ـــ ایک شخص ایک
تیل مالشیئے سے بدن کی مالش کرا رہا ہے ـــــ
ان سے قریب ایک بے فکرا نوجوان لان پر لیٹا
اپنی ترنگ میں ایک غمناک گیت گا رہا ہے
اس سے کچھ فاصلہ پر اعظم تھکا ہارا اور مغموم بیٹھا
سگریٹ پی رہا ہے، اعظم سیاہ رنگ کی شیروانی
میں ملبوس ہے۔ (گانا)

جب گانا ختم ہوتا ہے، عبدل گاتے ہوئے داخل
ہوتا ہے ـــــ چل چل چنبیلی باغ میں پتنگ اڑائیں گے۔

اعظم کے قریب جا کر بے فکرے اور مسخرے انداز میں بولتا ہے۔

عبدل : ہَلو ۔ گڈ مارننگ اینڈ گڈ نائٹ، مسٹر ڈبری ٹائیٹ، ہم سالا ادھر تمہارا پاک بلوچ سکین ہوٹل میں انتظار کرتا پڑا ہے اور سالا تم ادھر میں دلیپ کمار کا مانک روتا بیٹھا ہے۔ چلو اٹھو نی ۔ آج کچھ پکچر مکچر دیکھنے کو طبیعت مالش کرتا ہے۔

اعظم : (بیزاری سے)

تم جاؤ عبدل ۔ آج میں نہیں جا سکتا۔

عبدل : واہ، ہم اپنا فرینڈ کو چھوڑ کر اکیلا پکچر کیسا دیکھ سکتا ہے، تم کو بھی ہمارے سنگھات چلنا پڑیں گا۔

اعظم : نہیں یار ! آج میں ایک بڑی پریشانی میں پھنسا ہوا ہوں۔

عبدل : واہ رے وا ــــــ اوپر شیروانی اندر پریشانی ــــــ سالا ہم کو بھی بتاؤ کیا پریشانی ہے ــــــ خدا قسم ہم ابھی پریشانی کی ڈبری ٹائیٹ کر دیں گا !

اعظم : عبدل ــــــ بانو سخت بیمار ہے۔ غالباً اسے ٹائیفائیڈ ہو گیا ہے اور تم تو جانتے ہی ہو، آج میرے پاس بالکل پیسہ نہیں ہے۔

عبدل : سالا تم نے ہم کو کل کیوں نہیں بولا ۔ آج صبوں (صبح) کو کیوں نہیں بولا، ارے پیسہ کیا ہے ہاتھ کا میل ہے ۔ ہاتھ میلے کرنا کونسا ڈفی کلٹ کام ہے

ہم ابھی ہاتھ پھیلے کر کے پیسہ کا بندوبست کرتا ہے۔

اعظم : نہیں عبدل نہیں ـــــــ اس وقت میں کسی کی بد دعا نہیں لینا چاہتا۔ تم جانتے ہو مجھے اپنی ننھی بہن سے کتنی محبت ہے ؟

عبدل : تمہارا بہن ہمارا بھی سسٹر ہے، ہم اسکو بیمار کیسے دیکھ سکتا ہے۔ تم ڈرتا ہے تم ہمارے ساتھ مت آؤ، ہم اکیلا ہی جائے گا۔ پیسہ کا بندوبست کریگا اور اس سٹی کا سب سے بڑا ڈاکٹر لے جائیگا۔

(اتنے میں مجید اعظم کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں پہنچتا ہے اور تیزی سے اعظم کی طرف بڑھتا ہے اور بڑے سخت پریشانی کے لہجے میں بولتا ہے)

مجید : اعظم ! چلو جلدی چلو، بانو بیہوش ہو گئی ہے۔

(اعظم پریشانی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

عبدل : اعظم بابو، تم گھر جاؤ ہم ابھی ڈاکٹر لیکر گھر پہنچتا ہے۔

اعظم مجید کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

ــــــــــــــ پردہ گرجاتا ہے

چودھواں منظر

سڑک ـــــ عبدل اپنے شکار کی تلاش
میں سڑک پر ٹہل رہا ہے ـــــ اتنے
میں ایک موٹا توندیل سیٹھ چھتری بغل میں دبائے
گذرتا ہے ـــــ عبدل تیزی سے اس کے
قریب سے دھکا دیتے ہوئے گذرتا ہے
دونوں گر جاتے ہیں ـــــ سیٹھ کچھ کہنا چاہتا
ہے ـــــ لیکن عبدل خوفناک آنکھوں سے اسے
گھورتے ہوئے ڈانٹتا ہے ـــــ

عبدل : سیٹھ جی! کیوں دولت کی چربی آنکھوں پر بھی چڑھ گئی ہے کیا؟

(سیٹھ اسے دیکھکر سہم جاتا ہے اور بولتا ہے)

سیٹھ : بھئی ، تم ہی تو ہم کو ٹکر دیا۔

عبدل : (غصہ سے)

ہم نے تم کو ٹکر دیا

سیٹھ : (سہم کر)

نہیں بابا ــــــ ہم کو معاف کرو۔ ہم نے تم کو ٹکر دیا ــــ ہماری آنکھوں پر

چربی چڑھیلی ہے۔

عبدل : بس اب اپنا روڈ پکڑو۔ جیاستی ٹرٹر ہم نہیں سن سکتا۔

(سیٹھ خاموشی سے اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس کے

جانے کے بعد عبدل اس کی جیب سے اڑایا ہوا بٹوہ کھولتا ہے تو

اس میں سوا پانچ آنے، ایک ناس کی ڈبیا اور دو بیڑیاں نکلتی ہیں)

عبدل : ہات تیری پاپڑ والے سیٹھ ، کیا جارج پنجم کا خزانہ رکھیلا ہے

پاکٹ میں ؟ ــــــ

(یہ کہکر ناس کی ڈبیا میں سے ناس نکلتا ہے، ناس چڑھا کر زور سے

چھینکتا ہے اور پھر بیڑی سلگا کر کہتا ہے)

عجب ٹائم آگیا ہے۔ آجکل سالا سیٹھ لوگ بھی کڑکا رام دلوالیہ داس ہے۔

(اتنے میں ایک ٹھیلے والا، جس کے ٹھیلے پر ہر مال دو دو آنے والا سجا ہوتا ہے۔ ٹھیلہ ڈھکیلتا آتا ہے۔ دوسری طرف سے ایک پولیس کانسٹبل آتا ہے۔ وہ ٹھیلے والے کو دیکھکر اس کی طرف بڑھتا ہے اور غصہ سے کہتا ہے)

کانسٹبل: لات کا بھوت بات سے نہیں مانتا۔ ہم تجھکو کتنی بار بولا کہ ٹھیلہ اس روڈ پر نہ لایا کرو۔ ہم تم کو تین بار معاف کیا، لیکن آج تمہارا چالان کرے گا۔

ٹھیلے والا: (معافی مانگنے کے انداز میں گڑگڑاکر)

آج آخری بار معاف کردیو سنتری جی۔ پھر کبھی نہیں آئے گا، یہ پیٹ بڑا لالچی ہوتا ہے سنتری جی!

(عبدل بھی قریب جاتا ہے اور سفارش کرتا ہے)

عبدل: چلو معاف کردیو سنتری جی۔ یہ غریب بڑے بال بچے والے ہوتے ہیں۔

کانسٹبل: تو کون ہے بے لاٹ صاحب، سفارش کرنے والا۔ دفان ہو یہاں سے۔

(یہ کہکر سنتری جیب سے نوٹ بک اور پنسل نکالکر ٹھیلے والے کا نام پتہ لکھتا ہے)

کانسٹبل: نام؟

ٹھیلے والا: فقیر محمد!

کانسٹبل : باپ کا نام ؟

ٹھیلے والا : غلام محمد !

کانسٹبل : گھر اور محلہ ؟

ٹھیلے والا : جھگی نمبر ۴۲۰ ، غریب آباد کالونی ، قصائی گلی ، پیپل کے جھاڑ کے پاس !

(کانسٹبل نام پتہ وغیرہ لکھ کر ٹھیلے والے کو حکم دیتا ہے)

کانسٹبل : کل ٹھیک دس بجے تو کالے منڈی کے تھانے پر پہنچ جائیو ۔

ٹھیلے والا ، سنتری جی معاف کر دیو ، پاؤں پڑتا ہوں ۔

کانسٹبل ، نہیں نہیں ، قانون ، قانون ہے ، کل اگر نہیں آئے گا تو جیل میں سڑیگا ۔

(عبدل سنتری سے بالکل متصل کھڑا ہے ۔ سنتری یہ حکم دیکر چلا جاتا ہے جب سنتری آؤٹ آف فیلڈ ہو جاتا ہے تو ٹھیلے والا آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہتا ہے !

ٹھیلے والا : پاک پروردگار ۔ کیا تو یہ ظلم نہیں دیکھ رہا ہے !

عبدل : کیوں نہیں دیکھ رہا ہے ۔ وہ خدا ہے ، وہ گاڈ ہے ، آل مائٹی گاڈ ہے اس نے مجھکو تیری مدد کیلئے بھیجا ہے ، بول کیا تو کل تھانے نہیں جانا چاہتا ۔

ٹھیلے والا ، اب تو جانا ہی پڑے گا بھیا !

عبدل : بالکل نہیں جانا پڑے گا ۔

ٹھیلے والا: بھیا تو ان پولیس والوں کو نہیں جانتا شائد!

عبدل: ارے خوب جانتا ہوں۔

(جیب سے کانسٹبل کی جیب سے اڑائی ہوئی نوٹ بک اور پنسل نکالکر ٹھیلے والے کو دکھاتا ہے اور پوچھتا ہے)

عبدل: کیوں رے، یہی ہے نا وہ سنتری کی نوٹ بک جس میں اس نے تیرا نام اور پتہ لکھا ہے۔

(ٹھیلے والا حیرت سے عبدل کو دیکھتا ہے، اس کے چہرے پر خوشی کی لہر آجاتی ہے اور وہ ہاتھ بڑھاکر عبدل سے ہاتھ ملاکر کہتا ہے)

ٹھیلے والا: واہ میرے شیر، مانتا ہوں سلیمان! کیا ہنر پایا ہے تونے؟

عبدل: تو اب زیادہ بک بک نہ کر۔ فوراً ہوجا یہاں سے رفو چکر، ورنہ پھر آجائیگا وہ سنتری یہاں اور پکڑ کرلے جائے گا تجھے وہاں۔

ٹھیلے والا: شکریہ بھیا۔ سلام علیکم

عبدل: وعلیکم السّلام

(ٹھیلے والا چلا جاتا ہے۔ ایک اور سیٹھ سڑک پر آتا ہے۔ عبدل اسے گہری اور تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی طرف بڑھتا ہے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہے اور پہلے کی طرح ٹکر

دیکر اسے بھی گرا دیتا ہے۔ لیکن یہ سیٹھ بڑا چالاک آدمی ہوتا ہے

وہ ایکدم شور مچا دیتا ہے)

"میں لٹ گیا

تباہ ہو گیا

چور

چور"

(پبلک اکٹھی ہو جاتی ہے۔ اتنے میں وہی کانسٹبل جس نے ٹھیلے والے

کا چالان کیا تھا وہ بھی وہاں آجاتا ہے، عبدل کو پکڑ لیا جاتا ہے)

سیٹھ: اس نے میری پاکٹ ماری ہے۔ میری پاکٹ میں پورا چار ہزار روپیہ

ہے۔ دن دہاڑے یہ لوٹ! دہائی ہے۔ گورنمنٹ کی دہائی ہے۔

کانسٹبل: اچھا تو تو ہے ذات شریف! میری نوٹ بک اور پنسل بھی تو نے اڑائی

ہے چل دکھا تلاشی؟

(عبدل کو لوگوں نے پکڑ رکھا ہے۔ اس کی جیب کی تلاشی لی جاتی

ہے تو ایک خالی پاکٹ، سوا پانچ آنے، نوار کی ڈبیا، کانسٹبل کی

نوٹ بک اور پنسل اور دوسرا بٹوہ جس میں واقعی چار ہزار روپوں

کے نوٹ ہیں، برآمد ہوتے ہیں)

عبدل : چھوڑ دو مجھے ۔ میری چھوٹی بہن بہت سخت بیمار ہے ۔ میں نے چوری نہیں کی ۔ میں نے اپنا حق چھینا ہے ۔ چھوڑ دو مجھے ۔

(لیکن کانسٹبل اور لوگ باگ اسے دھکے دیکر لے جاتے ہیں ۔

پردہ اٹھ جاتا ہے

پندرھواں منظر

اعظم کی والدہ کا کمرہ ——— جس میں دو چارپائیاں بچھی ہیں —— اور ضروریات کا کچھ معمولی سامان۔ جس میں صندوق، اور ایک چھوٹی سی الماری میں برتن وغیرہ رکھے ہیں —— ایک چارپائی پر بانو بخار میں کراہ رہی ہے —— اعظم اور مجید ایک ڈاکٹر کو لئے داخل ہوتے ہیں —— ماں ڈاکٹر کی وجہ سے جلدی سے اندر چلی جاتی ہے ——

ڈاکٹر اسٹھسکوپ لگا کر بانو کی حالت دیکھتا ہے اور کہتا ہے ———

ڈاکٹر : ٹائیفائیڈ کا حملہ ہے۔ لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں چند دوائیاں اور انجکشن لکھے دیتا ہوں، کسی کیمسٹ کی دکان سے لے آئیے۔ شام کو میں انجکشن لگا دوں گا۔

(ڈاکٹر ایک پرچے پر دوائیوں اور انجکشن کے نام لکھ کر اعظم کو دیتا ہے۔ اعظم پوچھتا ہے)

اعظم : ڈاکٹر صاحب یہ دوائیاں اور انجکشن کتنے تک مل جائیں گے۔

ڈاکٹر : یہی کوئی پچیس تیس روپے تک!

مجید : (حیرت سے)

پچیس تیس روپے!!!

ڈاکٹر : اور کیا ہے —— یہ دوائیاں اور انجکشن باہر سے آتے ہیں، یہاں تھوڑی بنتے ہیں؟

مجید : (قدرے غصے سے)

تو پھر یہاں کیا بنتا ہے ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر : جی —— کیا؟ ——

اعظم : (طنزیہ اداس لہجے میں)

یہاں صرف بیمار بنتے ہیں مجید!

(ڈاکٹر سے مخاطب ہوکر)

ڈاکٹر صاحب آپ کی وزٹنگ فیس تو پانچ روپے ہے لیکن اس وقت میرے پاس صرف تین روپے ہیں۔ انشاء اللہ شام کی وزٹ میں، میں ساری فیس ادا کر دوں گا۔

ڈاکٹر: دیکھئے مسٹر، یہ بڑی غلط بات ہے۔ اس وقت تو میں تین روپے لئے لیتا ہوں مگر دیکھئے شام کو مجھے پوری فیس اور یہ بیلنس کے دو روپے ضرور ملجانے چاہئیں۔ اسطرح اگر ہم تھوڑی فیس لیتے رہے تو ہمارا دواخانہ کیسے چلے گا۔ میرے بھی تو بال بچے ہیں۔ میں بھی تو مجبور ہوں۔

اعظم: آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ آپ بھی مجبور ہیں، ہم بھی مجبور ہیں۔ یہاں سب ہی مجبور ہیں۔ لیکن آپ مطمئن رہیں، اگر شام تک میں آپ کی فیس کا بندوبست نہ کر سکا تو میں آپ کو تکلیف بھی نہیں دوں گا۔ یہ قبول فرمائیے۔

(تین روپے ڈاکٹر کو دیتا ہے)

ڈاکٹر تین روپے جیب میں رکھ لیتا ہے۔ اعظم مجید سے کہتا ہے:

اعظم: مجید! ڈاکٹر صاحب کا بیگ اٹھاؤ اور انہیں ڈسپنسری تک چھوڑ آؤ۔ بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر: گڈ نائیٹ

اعظم : گڈ ـــــ نائیٹ

(کہتا ہوا آرام کرسی پر گر پڑتا ہے۔ ایک لمحے کے بعد آواز آتی ہے)

آواز ـــــ میں اندر آسکتی ہوں ؟ ـــــ

اعظم : یس۔ کم ان ـــــ

(نورافشاں گھبرائی اور پریشان اندر داخل ہوتی ہے۔ اور تیزی سے اعظم کے قریب جاکر اس کے دونوں شانے جھنجھوڑ کر اس سے کہتی ہے)

نورافشاں : اعظم ـــــ اعظم۔ میرے لالچی باپ نے میرے نیلام کی تاریخ مقرر کردی ہے۔ اب بولو میں ـــ ـــ ـــ ـــ

اعظم : (ہونٹوں پر انگلی رکھکر)

ششش ـــ (بانو کی چارپائی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

آہستہ بولو، بانو سخت بیمار ہے۔

(نورافشاں بانو کی چارپائی کی طرف دیکھتی ہے اور اٹھ کر اسکی چارپائی کی طرف جاتی ہے۔ بانو کے ماتھے پر ہاتھ رکھکر دیکھتی ہے۔ بانو پر نیم بیہوشی کا عالم طاری ہے۔ نورافشاں وہاں سے پھر اعظم کے پاس آتی ہے اور پوچھتی ہے)

نُورافشاں : ڈاکٹر اور دوائی کا بندوبست کیا تم نے ؟

اعظم : تم جانتی ہو نور، اسکول کی فیس نہ دینے کے باعث اسکول سے بانو کا نام کٹ گیا۔ اور اب ڈاکٹر کی فیس نہ دینے کے باعث اس کا نام دُنیا سے بھی کٹ جائے گا۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

نُورافشاں : اعظم ! تم دن بہ دن جانور بنتے جا رہے ہو، میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے پہلو میں انسان کا دل کیوں نہیں ہے ؟

اعظم : دنیا کا ہر غریب آدمی جانور ہی ہوتا ہے، مس نُورافشاں۔ دُنیا بھر کا بوجھ اٹھانے والا بے زبان اور مظلوم جانور ! پھر تم یہ کیوں پوچھتی ہو کہ میرے پہلو میں انسان کا دل نہیں ہے ؟

نُورافشاں : تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ! مجھ سے تمہاری بے رخی تو خیر گوارا کی جا سکتی ہے لیکن تم اپنی معصوم بہن کو بھی اسی طرح بے پروائی سے موت کے کھڈ میں گرتا دیکھ سکتے ہو۔ تمہاری بہن مر رہی ہے اور تم آرام سے بیٹھے اس کی آخری سانسیں گن رہے ہو۔

اعظم : نور ــــــ میں کبھی نہیں چاہتا کہ بانو مر جائے۔

نُورافشاں : تو پھر جاتے کیوں نہیں۔ ڈاکٹر کو بلاتے کیوں نہیں ؟ یہ لو روپے میں دیتی ہوں (یہ کہہ کر وہ اپنا منی پرس کھولنا چاہتی ہے، لیکن اعظم اس کی طرف

سے ہٹ کر پیٹھ موڑ کر اس سے کہتا ہے)

اعظم : تم نے میری بات نہیں سمجھی نور ــ میں بانو کی موت اس لئے نہیں چاہتا کہ میری یہ اکلوتی قمیص بہت بوسیدہ ہو گئی ہے۔

نورافشاں : قمیص بوسیدہ ہو گئی ہے! کیا بک رہے ہو۔ تمہاری بوسیدہ قمیص اور بانو کی بیماری کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

اعظم : بہت بڑا تعلق ـــــ یعنے اگر بانو مر جاتی ہے تو جو کپڑا میں اپنی نئی قمیص کے لئے خریدنا چاہتا ہوں وہ بانو کے کفن کے لئے استعمال ہو گا اور میں یہ نہیں چاہتا!

(نور غصے سے بے قابو ہو کر اعظم کے گال پر ایک زوردار چانٹا رسید کرتی ہے اور کہتی ہے)

نورافشاں : وحشی درندے!

(اور وہ اس کے دونوں شانے پکڑ کر جھنجھوڑتی ہے اور پھر اچانک خاموش ہو جاتی ہے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلاء میں گھورنے لگتی ہے اور اچانک اعظم کے سینے پر سر ٹیک کر گڑگڑا کر روہنار آواز میں کہتی ہے)

مجھے معاف کرو اعظم ـــــ میں نے تمہارے ساتھ یہ بڑی زیادتی کی ہے۔ تم بھی مر چکے ہو اعظم۔ بہ حیثیت انسان تم زندہ نہیں ہو۔

مجھے معاف کرو کہ میں نے ایک لاش کے گال پر طمانچہ لگا کر لاش کی توہین کی ہے۔

(پھر وہ آہستہ سے اس سے الگ ہوتی ہے اور بڑے عزم کے ساتھ کہتی ہے)

نُورافشاں : اچھا، میں بانو کو موت کے منہ سے بچاؤں گی۔ میں عزرائیل سے لڑوں گی۔ میں خدا کی منتیں کروں گی، میں بانو کو بچاؤں گی۔

(یہ کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل جاتی ہے)

اعظم پھر آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے۔ اچانک بانو بلند آواز سے بڑبڑانے لگتی ہے)

بانو : امّی ——! بھائی جان ——!! وہ دیکھو، وہ سفید سفید لمبی داڑھی والا بوڑھا مجھے اپنے پاس بُلا رہا ہے۔ بھائی جان! —— امّی!! —— اس بوڑھے کی پیٹھ میں دو بڑے بڑے پَر لگے ہوئے ہیں۔ امّی مجھے اس بوڑھے سے ڈر لگ رہا ہے —— امّی! —— بھائی جان!! ——

(اعظم چونک پڑتا ہے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھنے لگتا ہے۔ اعظم کی والدہ جو جیسے نماز پڑھ رہی تھی، دوڑی دوڑی کمرے میں آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور سر دوپٹے سے

پوری طرح ڈھکا ہوا ہے۔ وہ روتے ہوئے بانو پر جھک کر لیسین شریف پڑھنے لگتی ہے

یٰسٓ وَالقُراٰنِ الحکیم، اِنّکَ لمِنَ المرسلین علیٰ صراطِ المستقیم

لیکن آواز بھرا جاتی ہے۔ وہ آگے نہیں پڑھ سکتی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔ اعظم آبدیدہ کرسی سے اٹھتا ہے اور بانو کی، چارپائی کے سرہانے زمین پر گھٹنے ٹیک کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر چھپا لیتا ہے۔ بانو پھر ہذیان بکنے لگتی ہے)

بانو : کتنا اچھا باغ ہے، کیسی رنگین تیتریاں اُڑ رہی ہیں۔ امّی وہ دیکھو ادھر دوُدھ کی ندی بہہ رہی ہے۔ لیکن وہ بوڑھا ____ وہ بڑے بڑے پروں والا بوڑھا ____ اس کے بال ____

(وہ زور سے چیخ پڑتی ہے)

اس کے بال مجھے چبھ رہے ہیں امّی ____ مجھے بچاؤ ۔ مجھے بچاؤ ۔

(اعظم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس کی والدہ بپھر کر کہتی ہے)

ماں : اعظم ____ بیٹے ____ جاؤ ____ ڈاکٹر کو بلاؤ۔ ممکن ہے ڈاکٹر کو میری بچّی پر ترس آجائے ____ ممکن ہے ایسا ہو ____ ممکن ہے تم جاؤ ____ تم کوشش تو کرو میرے بچّے ____

(اعظم بُت بنا کھڑا رہتا ہے اور ماں اسے دیکھ کر نہایت دھیمے لہجے میں کہتی ہے)

ماں : کاش آج میں ایک جوان عورت ہوتی۔

(یہ جملہ اعظم کے دل پر تیر کی طرح لگتا ہے اور بڑی بھیانک اور بلند آواز میں چیختا ہے)

"ماں ـــــ" !!؟

اور پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے نرم لیکن طنزیہ لہجے میں کہتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو اتی۔ کاش تم ایک جوان عورت ہوتیں!

ماں : (چھت کی طرف دیکھتے ہوئے)

میں اپنی بانو کو آسمانوں پر ہرگز نہیں جانے دوں گی

اے پروردگار! ـــ میرے پاس میرے بچوں کے سوائے کچھ نہیں ہے، کچھ بھی نہیں ہے ـــ تو وہ بھی چھین لینا چاہتا ہے معبود! ـــــ

(اعظم ایک لمحہ کیلئے ماں کو اور بانو کو دیکھتا ہے اور سر کے بال نوچ کر نہایت غضبناک آواز میں کہتا ہے)

ایسا ہرگز نہیں ہو گا، ہرگز نہیں ہو گا۔

(یہ کہتا ہوا وہ باہر چلا جاتا ہے اور پردہ گر جاتا ہے)

سولھواں منظر

سڑک کا منظر ـــــــ مسعود علیخاں ،
عروسی لباس پہنے ـــــ سر پر سہرا باندھے ہوئے
ایک گھوڑے پر سوار داخل ہوتا ہے ـــــ
اس کے سامنے بینڈ باجوں کا باوردی
یونٹ ہے ـــــ اور اس کے ساتھ
براتی رنگ برنگے کپڑے پہنے شریک
ہیں ـــــ بینڈ باجے کے یونٹ کے
آگے دو تلوار باز تلوار بازی کا مظاہرہ
کر رہے ہیں ـــــــ

(نوٹ : تلوار بازی کا یہ مظاہرہ اس وقت تک جاری رہے ،
جب تک کہ ستھرویں منظر کا فرنیچر پردے کے پیچھے جما نہ لیا جائے)
تلوار بازی کے مظاہرے کے بعد برات آگے بڑھتی ہے اور اسٹیج سے
باہر نکل جاتی ہے ۔

پردہ اٹھ جاتا ہے

سترھواں منظر

سیٹھ دولت خاں کا ڈرائنگ روم ——
سیٹھ دولت خاں اکیلے بیٹھے حقّہ پیتے —— بہی کھاتے دیکھ رہے ہیں —— نوکر اندر داخل ہوتا ہے اور ملاقاتی چٹھی ان کے حوالے کرتا ہے —— چٹھی پر نام دیکھکر سیٹھ دولت خاں کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ وہ نوکر سے کہتے ہیں

سیٹھ صاحب: اسے جلدی سے اندر بھیجدو۔

(اعظم داخل ہوتا ہے۔ وہ نہایت مغموم اور اُداس ہے)

اعظم: السلام علیکم! ——

سیٹھ صاحب: وعلیکم السلام ــــــــــ آؤ بھئی آؤ۔ تم تو ایسے غائب ہوئے کہ بس

میں آج تمہارے ہی گھر جانے والا تھا، بھلے آدمی! اس دن تم اپنی بی۔اے

کی ڈگری اور اسناد ات بھی یہیں چھوڑ گئے۔ پھر لینے تک نہیں آئے،

عجیب آدمی ہو۔ اور ہاں یہ کھڑے کیوں ہو! بیٹھتے کیوں نہیں، بیٹھو، بھئی

بیٹھ جاؤ۔

(اعظم بیٹھ جاتا ہے)

سیٹھ صاحب: بھئی اس دن کے واقعہ کا مجھے بہت افسوس ہے، وہ کمبخت بیرکا

بچہ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

اعظم: (بات کاٹ کر)

سیٹھ صاحب! اسوقت میں بہت جلدی میں ہوں، مجھے آپ سے ایک

نہایت ضروری بات کرنی ہے۔

سیٹھ صاحب: ہاں ہاں کہو، شوق سے کہو ــــــــــ

اعظم: میں اپنے آپ کو بیچنے آیا ہوں۔ اب میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ

بی۔اے کی ڈگری اور چیک بک کی شادی میں دیر نہیں ہونی چاہیئے۔

سیٹھ صاحب: (حیران ہوکر) کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔

اعظم: سیٹھ صاحب، میں آپ کی لڑکی سے شادی کے لئے بالکل تیار ہوں۔

سیٹھ صاحب: (خوش ہو کر)

اوہ — اوہ — یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے میں — میں کوئی مناسب

تاریخ — — — —

اعظم: (بات کاٹ کر)

مگر سیٹھ صاحب! ایک شرط ہے۔ میری چھوٹی بہن سخت بیمار ہے۔ میں

خالی جیب اسکو عزرائیل کے سامنے سے اٹھا کر واپس نہیں لا سکتا۔

(جیب سے ایک پرچہ نکال کر)

یہ دوائیاں اور انجکشن اور ایک ڈاکٹر کا فوراً بندوبست ہونا چاہیئے

پھر میں ہمیشہ کیلئے آپ کی خدمت میں ہوں۔

سیٹھ صاحب: اوہ! بڑے افسوس کی بات ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں،

ویسے بھی یہ میرا انسانی فرض ہے۔ میں ابھی اپنے فیملی ڈاکٹر کو ساتھ

لے چلتا ہوں۔ گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اچھا

میں ذرا کپڑے پہن آؤں۔

(یہ کہہ کر سیٹھ اندر چلا جاتا ہے اور اعظم کہتا ہے)

اعظم: کتنا خود غرض ہے انسان۔ اگر میں یونہی اس کے پاس چلا آتا اور اس سے

یہی بات کہتا تو شاید یہ مجھے کسی خیراتی شفاخانے کا بھی پتہ نہ بتاتا، واہ رے انسان!!

سیٹھ کپڑے پہنکر آتا ہے اور کہتا ہے۔

سیٹھ صاحب: آؤ آؤ، چلو

اعظم اور سیٹھ باہر چلے جاتے ہیں۔

پردہ گرجاتا ہے

اٹھارہواں منظر

سڑک ——— تین آدمی ایسے لباس میں کھڑے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی برات میں شریک تھے ——— وہ ایک دوسرے کو سگریٹ آفر کرکے سگرٹیں جلا ہی رہے ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوڑا دوڑا آتا ہے اور کہتا ہے ———

اندر سے آنیوالا شخص ———

یار و غضب ہو گیا غضب، دلہن کا کہیں پتہ نہیں ہے! ———

ایک شخص : یہ اندر کیا گڑبڑ ہو رہی ہے بھئی؟ ———

اندر سے آنے والا شخص : سیٹھ حاجی رحمت اللہ اور کرنل ارباب خان میں بڑی تو تو، میں میں

ہو رہی ہے۔

دوسرا آدمی: توبہ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے، دلہنیں تک گھروں سے بھاگنے لگی ہیں۔

تیسرا آدمی: بھیا تمہیں پتہ نہیں۔ آجکل لڑکیوں کے اسکولوں میں بھی اسپورٹس ہوتے ہیں وہاں لڑکیوں کی دَوڑ کے مقابلے ہوتے ہیں یہ بھاگنے کی عادت وہیں سے پڑتی ہے۔

چوتھا آدمی: (ٹھنڈی سانس لیکر) یار یہ عشق کا چکر بڑا خراب ہوتا ہے۔

پانچواں آدمی: آہو جی، یہ عشک سالا ہوندا ای بڑا خانہ خراب جے!

چوتھا آدمی: اب کیا ہوگا؟

تیسرا آدمی: کرنل ارباب خان کی ناک کٹے گی ناک!

دوسرا آدمی: اسی لئے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو صرف بہشتی زیور اور گشیدہ کاری کی کتابوں سے آگے نہیں جانے دینا چاہیئے۔

پہلا آدمی: اماں نہیں یار۔ اس میں تعلیم کا کوئی قصور نہیں۔ تعلیم تو بڑی اچھی چیز ہوتی ہے انسان کی زندگی بنا دیتی ہے۔

دوسرا آدمی: لو بھئی، اس تعلیم والے کو دیکھو۔

پہلا آدمی: بیٹا، غریبی کی وجہ سے نہیں پڑھ سکا، اگر پڑھنے کا موقعہ ملتا تو وزیراعظم بنتا۔ وزیراعظم!

اتنے میں پردے کے پیچھے سے پستول چلنے کی آواز آتی ہے۔ سب لوگ چونک پڑتے ہیں۔ گھبرا سے جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے

یار، جاؤ جاؤ۔ ذرا اندر جا کر معلوم تو کرو کیا بات ہے؟

(اندر سے آنے والا آدمی دوڑا ہوا پھر اندر جاتا ہے۔ دو تین لمحوں کے بعد وہ دوڑا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے)

اندر سے آنے والا آدمی : یارو وہی ہوا جو ہونا تھا۔

(سب آدمی اسے گھیر لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں)

کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟

اندر سے آنیوالا آدمی :

کرنل ارباب خان نے خودکشی کر لی۔

سب کے سب : ہیں !!!

ایک شخص : توبہ توبہ، کبھی کبھی ایک جوان لڑکی کی ذرا سی غلطی سارے خاندان کو تباہ کر دیتی ہے۔

دوسرا شخص : خدا ناگن دے مگر ایسی بیٹی نہ دے۔

چوتھا آدمی : آؤ یار اندر چلتے ہیں۔ آؤ آؤ۔ سب کے سب آؤٹ آف فیلڈ ہو جاتے ہیں۔

(پردہ اٹھ جاتا ہے)

انیسواں منظر

اعظم کا کمرہ ـــــ جو پہلے منظر میں تھا ـــــ
بانو بسترِ مرگ پر لیٹی ہے۔ اعظم کی والدہ اور مجید
اس کی چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ اعظم کی والدہ رُوتی
جا رہی ہے ـــــ اور اتنے میں نور افشاں جو
عروسی لباس میں ملبوس ہے۔ ایک ڈاکٹر کو لیے
داخل ہوتی ہے ـــــ ڈاکٹر استھسکوپ لگا کر
بانو کو دیکھتا ہے۔ اسی اثنا میں اعظم، سیٹھ دولت
خاں اور اُن کا فیملی ڈاکٹر دروازے میں داخل ہوتے
ہیں۔ جیسے ہی وہ داخل ہوتے ہیں، پہلا ڈاکٹر سر جھکائے

آہستہ سے چارپائی سے اُٹھتا ہے اور چادر سے بانو کا چہرہ ڈھانک دیتا ہے۔ اعظم یہ منظر دیکھکر زور سے چیختا ہے۔

بانو ــــــ!!!

اس کے ہاتھ سے دوائیوں کی شیشیاں اور انجکشن فرش پر چھناکے کے ساتھ گر کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اعظم کی والدہ غضبناک شیرنی کی طرح آگے بڑھتی ہے اور چھت کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر چیختے ہوئے کہتی ہے۔

بانو ــــــ میری بچی ــــــ تو مت گھبرا ــــــ کوئی تجھے مجھ سے نہیں چھین سکتا ــــــ میں تیرے پاس آ رہی ہوں بیٹی! میں تیرے بغیر ہرگز نہیں جی سکتی بیٹی! ــــــ

(یہ کہکر اعظم کی والدہ ایک چھُری اپنے سینے میں بھونک لیتی ہے)

اعظم: (چیختا ہے)

ماں ــــــ!

نورافشاں دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیتی ہے ۔ دونوں ڈاکٹر اور سیٹھ دولت خاں اعظم کی والدہ کی اس حرکت سے پریشان ہو جاتے ہیں ۔ خصوصاً سیٹھ دولت خاں

" باپ رے باپ "

کہتا ہے اور تیزی سے ونگ میں غائب ہو جاتا ہے ۔

(اعظم دیوانے کی طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھتا ہے ۔ مجید اعظم کی ماں کی طرف بڑھتا ہے جو فرش پر تڑپ رہی ہے اور اس کا دم آخر ہے ۔ اعظم مجید کو اپنی ماں کے پاس دیکھکر دیوانے کی طرح چیختا ہے)

مجید ـــــــ ہٹ جاؤ اس عورت کے پاس سے اسے ابھی مر جانے دو ۔ اس کمبخت عورت کو اسی دن مر جانا چاہیئے تھا ۔ جس دن اس کا شوہر مر گیا تھا ۔ جس دن اس نے مجھے اور جس دن اس نے بانو کو جنم دیا تھا ـــــــ ہٹ جاؤ مجید ـــــــ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا ۔

(نورافشاں دوڑ کر اعظم سے چمٹ جاتی ہے ۔ لیکن اعظم اسے فرش پر دھکیل دیتا ہے اور پکارتا ہے)

مجید: کس کا انتظار کر رہے ہو اب۔ اٹھاؤ ان لاشوں کو یہاں سے۔ ایسی لاشوں کا کوئی جنازہ نہیں ہوتا، ان لاشوں پر کوئی مقبرہ نہیں بنایا جاتا۔ ان پر کسی کے آنسو نہیں ٹپکتے۔ کوئی ان پر پھول نہیں چڑھاتا۔ اٹھاؤ ـــــ اس کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو اٹھاؤ یہاں سے ـــــ انہیں ہم دنیا کے باہر پھینک آئیں تاکہ یہ زمین پاک اور صاف ہو جائے۔

(یہ کہکر وہ آگے بڑھتا ہے اور اپنی چھوٹی بہن بانو کی لاش اپنی دونوں باہوں میں اٹھا لیتا ہے اور اسکی پیشانی کو چوم کر کہتا ہے)

گڈ بائی مائی ڈیر لٹل بانو ـــــ تم چاکلیٹ کے ڈبے کی تلاش میں بہت دور چلی گئی ہو ـــــ میں جانتا ہوں کہ اب تم کبھی واپس نہیں آؤ گی ـــــ اپنی ننھی ننھی باہوں کا ہار میرے گلے میں کبھی نہیں ڈالو گی۔

اچھا ہی ہوا بانو! ـــــ تم اس وقت زمین کو چھوڑ کر نرم نرم آسمانوں پر چلی گئی ہو۔ اب تمہارے ننھے ننھے ہاتھ آٹا گوندھتے گوندھتے کبھی نہیں تھکیں گے ـــــ آؤ میں تمہیں دنیا کے آخری دروازے تک چھوڑ آؤں۔

میری ننھی گڑیا ! میں تمہیں دفن کرنے نہیں بلکہ میں تو مفلسی، بیچارگی اور ایک موت سے زیادہ بدتر زندگی کو دفن کرنے جارہا ہوں۔ میں تمہیں دفن کرکے مطمئن ہو سکتا ہوں کہ میں نے مفلسی، بیماری اور ایک مجبور زندگی کو دفن کر دیا ہے۔

(چیختے ہوئے)

اور اگر اسی طرح ہر روز سیکڑوں کی تعداد میں مفلسیوں، بیماریوں اور مجبور زندگیوں کو دفن کیا جاتا رہا تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن، ایک دن، یہ زمین ——— یہ زمین بالکل پاک صاف ہو جائیگی۔

(یہ کہہ کر وہ تیزی سے روتا ہوا ونگ میں لاش اٹھائے بھاگ جاتا ہے)

اور پردہ تیزی کے ساتھ گر جاتا ہے

آخری منظر

اعظم کا کمرہ ــــــ وہی سٹینگ جو اس سے پہلے
کے منظر میں تھی ــــــ اعظم اکیلا اور نہایت
مغموم اسٹول پر بیٹھا سگریٹ پی رہا ہے
اس کی آنکھیں خوفناک طور پر پھٹی ہوئی ہیں۔
اتنے میں نورافشاں دبے پاؤں اندر داخل
ہوتی ہے۔ اعظم اسے دیکھتا ہے اور اٹھکر
کھڑا ہو جاتا ہے ــــــ نورافشاں اس کے
قریب جاتی ہے اور اسکی ایک بانہہ کو مضبوطی
سے پکڑ لیتی ہے اور کہتی ہے:

اعظم، اب میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں ____ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی اعظم ____ میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی اعظم ____ غم کی اس اندھیری رات کی ضرور کوئی صبح ہو گی اس راستے کی ضرور کوئی منزل ہو گی !

اعظم : کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بھی اس دُنیا سے چلا جاؤں گا ؟ کیا تم نے مجھے اتنا بزدل سمجھ رکھا ہے کہ میں اپنی ماں اور اپنی بہن کے قاتل کا بدلہ لئے بغیر یہاں سے چلا جاؤں گا ؟

(بڑے عزم کے ساتھ)

نور ____ میں زندگی کے راستے پر اسی طرح چلتا رہوں گا ہمیشہ چلتا رہوں گا ____ شکست کبھی نہیں مانوں گا ____ کبھی نہیں

(یہ کہہ کر وہ نورافشاں کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اسٹیج پر اچانک اندھیرا چھا جاتا ہے اور پس منظر سے دردناک لے میں کوئی گاتا ہے بطرز ہیر)

کہیں تو ہو گا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رُکے گا سفینۂ غمِ دل
ابھی گرانیِ شب میں کمی نہیں آئی

چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

آخری مصرعہ کے اختتام پر ہال میں اُجالا

(اور ڈراپ کا پردہ گر جاتا ہے)

——— (ختم شُد)

دھرتی کی کروڑوں سال پرانی روایات ـــــ خون آشام صدیوں کے لمحاتی بندھن ـــــ آج بھی ایسے ہی زندہ ہیں، جیسے ہابیل وقابیل کے زمانے میں تھے

ابنِ آدم میں رہبر عسکری نے وہ سب کچھ لکھا ہے جو آپ کی گمراہ داستانوں میں آج بھی موجود ہے، اور یہی زلیخائی اشارے، پاکیزہ سچائیاں بنکر، آپ کے دل میں اتر جائیں گے!

(طویل اور مختصر افسانوں کا مجموعہ)

ابنِ آدم

نوکِ نشتر ہے جو آپ کی پسلیوں پر رکھی ہے

صفحات ۱۷۵ ـــــ قیمت ۲/۸ روپے

قصرِ شیریں ـــــ عدم کی غزلوں اور نکہتوں کا مجموعہ!

- قصرِ شیریں کے سنہری کنگرے اور عدم کے تلخ و تیز احساسات کی تجلیاں اس داستان میں باہم آویز نظر آتی ہیں!!
- قصرِ شیریں میں زندگی کے تجربے اور مشاہدات کی جیتی جاگتی تصویریں جلوہ آرا ہیں

قصرِ شیریں

صفحات ۲۲۵ ـــــ قیمت ۳/۱۲ روپے

مکتبۂ ماحول کراچی

عدم ـــــ کی دو سو لازوال غزلیں

جن کا ایک ایک شعر

تیشۂ فرہاد ـــ کی ایک چوٹ ـــــ !

حُسن و عشق ـــ کی ایک صدا بہار کائنات ـــــ ؟؟



حضرتِ عدم کی شگفتہ گوئی کا گُل ریز مرقع !

صفحات ۲۲۵

قیمت ۳ روپے ۱۲ / ر

وہ — لوگ جنہیں ہم رہنما مانتے ہیں !

وہ — شخصیتیں جن کی فکر و فن پر ہمیں ناز ہے !!

اور — وہ حضرات جن کی عظمت تسلیم کی جاتی ہے !!!

— ایسے انسانوں کی نجی زندگی اور ان کے

مخصوص خیالات اور دلچسپ حقائق سب نہیں جانتے !

انور عارف نے ایسے ہی صاحب طرز انسانوں سے انٹرویو لیا ہے جن کو
دیکھنے کے لئے فرشتوں کی آنکھیں ترستی ہیں !!

خدوخال صرف آپ کے لئے ہی نہیں بلکہ مستقبل کے مورخ کے
لئے بھی لکھی گئی ہے جو اس کی مدد سے ہماری عظیم تاریخ مرتب کرے گا !

خدوخال

(زیر طبع)

نہ تو صورتیں بولتی ہیں

اور —— نہ ہی سیرتیں چھپاتی ہیں ——

لیکن —— جب کسی مصور کا موئے قلم

اور —— کسی ادیب کی زبانِ قلم

—— جلال میں آجاتی ہے

تو مخفی سے مخفی راز بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں

انور عارف

کی زبانِ قلم پر یہی افسانے ہیں ——

جیتے جاگتے افسانے ——

ان شخصیتوں اور رہنماؤں کے خیالات

جن کی ہمارے دلوں میں قدر و منزلت ہے۔

جن کے قلم اور دماغ

ہماری زندگی کی شاہراہوں میں صبح کے ستارے

کی طرح رہنمائی کرتے ہیں ——

(زیرِ طبع)

سردار عبد الرب نشتر
مولانا عبد المجید سالک
فیض احمد فیض
حمید نظامی
شورش کاشمیری
احمد ندیم قاسمی
نسیم حجازی
مجید لاہوری
ابراہیم جلیس
عبد الحمید عدم
ذوالفقار علی بخاری
ممتاز حسن
رئیس امروہوی
سراج الدین ظفر
شوکت صدیقی
سروری عرفان ا
اور دوسرے

خد و خال

مکتبہ "ماحول" بندر روڈ —— کراچی